اسلامی جمہوریہ کا دستوری ڈہانچہ

اور اس کے

مصادر قوت

آیت اللہ شہید باقر الصدر

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فہرست

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

عَرضِ ناشر

ابتدا ہے اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جو حقیقت میں عبادت کے لائق ہے درود بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ جن پر خدا اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں، اور سلام ہے ان کی اولاد پر جو ہماری رہنما اور وصی ہیں۔

معراج کمپنی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے قیام کے دن سے آج تک منفرد کام سرانجام دیئے ہیں، جناب سید العلما، آغا رہبر اور دیگر اکابرین کے آثار وافکار پر کام کیا اور ان بزرگانِ دین کی کتب کو جمع کر کے اشاعت کے زیور سے آراستہ کیا، اور اب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و آثار کو جمع و تدوین کا بیڑا اٹھایا ہے، شہید کی دستیاب کتب شائع کرنے کا اعزاز بھی معراج کمپنی کے حصہ میں آیا ہے یہ خدا کے احسان کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس نے ہم جیسے سیاہ کاروں کے ان بزرگوں کے آثار کی جمع و تدوین کا کام لیا ہے۔

زیر نظر کتاب دو مضامین ہیں جن ایک کا ترجمہ جناب سید ساجد نقوی اور دوسرے کا ترجمہ جناب علامہ سید ذیشان حیدر جوادی نے کیا ہے۔ امید ہے کہ ہم خدا اس کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائیں گے اور ہمارے لئے آخرت کی منزلیں آسان فرمائیں گے۔

پیام اسلامی سنٹر کراچی کے مہتمم محترم جناب سید فدا حسین رضوی نے ہماری

توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ جناب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر کتب میں سے اس وقت کوئی کتاب بھی پاکستان میں دستیاب نہیں ہے جس سے محبان شہید باقر الصدر بہت افسردہ ہیں، ناصرف توجہ دلائی بلکہ کتب بھی مہیا کیں اگر یہ کہا جائے کہ یہ ساری کاوش جناب سید فدا حسین رضوی صاحب کی ہے تو بے جا نہ ہوگا ادارہ ان کا انتہائی ممنون ومشکور ہے اوران کے دعا گو ہے۔اللہ ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

ادارہ ان تمام افراد کا انتہائی ممنون ومشکور ہے جنہوں نے شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے کتب کی فراہمی میں مقدور بھر کاوش وسعی انجام دی۔

اگر کسی کے پاس شہید باقر الصدر کی کوئی تصنیف موجود ہے تو ازراہ کرم ہمیں ارسال فرمادیں تاکہ اس کو شائع کیا جاسکے اور آپ اس کار خیر میں ہمارے رفیق کار ہوں اور دنیا اور آخرت کی منازل میں ترقی کا سبب بن جائیں۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

پیش کش

انقلاب اسلامی ایران کی پانچویں سالگرہ کے مبارک موقع پر ادارہ تبلیغات اس مختصر کتاب کو شائع کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہا ہے۔

امید ہے قارئین کرام کو اس کے مطالعے سے اسلام کے اصلی اور آفاقی افکار سمجھنے میں مدد مل سکے گی۔

خداوند کریم قائد اعظم الشان رہبر انقلاب اسلامی امام امت حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو طول عمر عطا فرمائے اور انقلاب اسلامی کی ہمہ جہت کامیابی کے ساتھ پرچم اسلام سراسر جہان پر چھا جائے تاکہ دنیا بھر کے مستضعفین و محکوم عوام قوانین اسلام کی نعمتوں سے سرشار ہو کر اطمینان کا سانس لیں۔ نیز اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دنیا بھر کی اسلامی تحریکیں اسلام کے اصلی مقصد سے ہمکنار ہو جائیں۔

آمین

﴿۱﴾

دستوری ڈھانچہ

ترجمہ:

حجۃ الاسلام سید ساجد علی نقوی

بسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

ایران میں اسلامی انقلاب کی تحریک کے بعد ہی سے ذہنوں میں یہ خیال اور زبانوں پر یہ اشکال گردش کر رہا ہے کہ دورِ حاضر کے تمام صاحبان طاقت وقوت اور ارباب اقتدار واختیار کے ناکام ہو جانے کے بعد اسلام کے پاس وہ کونسی قوت ہے جس کے بھروسہ پر پسماندگی اور زبوں حالی کا خاتمہ کیا جا سکے اور معاشرے کی ایک ایسی تشکیل دی جا سکے جسے صحیح معنوں میں ترقی یافتہ انسانی معاشرہ کہا جا سکتا ہے۔

آیت اللہ شہید باقر الصدر طاب ثراہ نے ''اسلامی جمہوریہ کا دستوری ڈھانچہ اور اسلامی حکومت کے مصادر قوت'' کے نام سے زیرِ نظر دو مقالے تحریر فرما کر اسی اشکال کا جائزہ لیا ہے اور ان تمام قوتوں کی نشاندہی کی ہے جس کی بنا پر اسلام تعمیر نو کا فریضہ انجام دے سکتا ہے اور اسلام کے علاوہ کوئی اور اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔

اگرچہ ان مقالوں پر مشتمل یہ کتاب مختصر ہے لیکن معنویت کے اعتبار سے کوزہ میں سمندر ہے ارباب علم وادب اور صاحبان ذوق وتحقیق کو نظر خائر سے کتاب کا معالعہ کرنا چاہئے اور اس کے بعد تفصیلات پر غور کرنا چاہئے۔

علمائے لبنان کی درخواست

جناب پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اسلامی جمہوریہ کا انقلاب خیز پرچم حضرت آیت اللہ العظمٰی امام خمینی دام ظلہ کے توانا ہاتھوں سے بلند ہوا ہے اس کے نصب العین نے دنیا میں زلزلہ برپا کر دیا ہے نہ صرف اسلامی ممالک نے بلکہ تمام دنیا نے اس کے اچھے اور مثبت اثرات قبول کئے ہیں لیکن سیکولر نقطہ نظر سے جمہوریہ اسلامی کے نظریہ کو شک وانکار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ ان کی نظر میں اسلام اور ریاست کا ادغام اور مسئلہ حکومت کو آسمانی قرار دینا بے معنی ہے۔

یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ حکومت ایک زمینی مسئلہ ہے اور آسمان سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس سلسلے کی ہر کوشش بے معنی نعرہ ہے چونکہ جناب عالیٰ کو فقہ میں اور معارف اسلامی کے دوسرے شعبوں میں تسلط و مہارت حاصل ہے۔عصری افکار اور مکاتب فکر پر آپ کی گہری نظر ہے۔اس لئے درخواست ہے کہ آپ اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر ہمیں مستفید فرمائیں مسئلہ زیر بحث یہ ہے :۔

"اسلامی جمہوریہ کس فکری اساس پر قائم ہے۔"

سید محمد الغروی، المشیخ علی طحبنی الشیخ حسن حریری
الشیخ محمد جعفر شمس الدین الشیخ راغب حرب
۲۸ صفر ۱۳۹۹ ہجری قمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رہبر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسلام اور ان کے خاندان کے پاکیزہ رہنماؤں پر اور صالح برگزیدہ صحابہ پر دورد ------- میں اس مبارک لائحہ عمل کے متعلق آپ کے ذمہ دارانہ احساس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں جس کا پرچم آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے بلند ہوا اور تمام مسلمانوں کے دل سے شگفتہ وشاداں ہوئے۔

میں کوشش کروں گا کہ اس گرانبہا فرصت سے فائدہ اٹھا کر ایسی باتوں کی نشاندہی کروں جو اس مسئلے کو اجاگر کریں اور اسلامی افکار کی اساس اور قابل نفاذ تجاویز کو روبعمل لانے کے لئے مدد کریں۔ میں اس بات پر زور دونگا کہ اس امام مجاہد نے تحریک کے پرچم کو لہرایا اور آپ ہی اس انقلاب کو کامیاب بنائیں گے۔ اس سلسلے میں بہترین لائحہ عمل ترتیب دینے کے لئے وہی مستحکم مقام اور پختہ رائے کے اہل ہیں ہم سب مطمئن ہیں کہ جس طرح انہوں نے دلکش انداز سے طاغوت کو مٹا دیا اور ایران کو ظلمتوں سے باہر نکالا اور شاندار فتح سے ہمکنار کیا۔ اسی طرح اس انقلاب کو اسلام سے مکمل طور پر ہم آہنگ بنانے میں بھی کامیاب ہوں گے اور تمام اہل جہان کو حیرت میں ڈال دیں گے۔

حکومت انسانی زندگی میں ایک حقیقی اجتماعی مظہر ہے جو آسمانی رسالتوں اور انبیائے الٰہی کے ہاتھوں وجود میں آیا اور اس کی صحیح شکل وصورت نے انسانی معاشرے کی رہنمائی کی، اسے حق وانصاف کی اساس پر استوار بنایا اور انسانی وحدت کی تشکیل کی تاکہ اس کی بدولت معاشرہ پیغمبرانہ طریق فکر کی صحیح وحقیقی راہ پر گامزن ہو سکے۔ خدا نے فرمایا

ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

انسان ایک امت تھے خدا نے بشیر و نذیر پیغمبر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب حق بھی نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے اختلاف دور کریں۔لیکن انہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو کتاب دی گئی اور ان تک واضح دلائل بھی پہنچے۔ ان کے اختلاف ظلم کی وجہ سے تھے۔ ان اختلافات کے وقت مومنوں نے اذان خداوندی سے حق کی طرف رہنمائی حاصل کی۔ خدا جسے چاہتا ہے راہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ [1]

اس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عوام شروع میں ایک گروپ تھے اس عہد میں انسان کی پاک فطرت حکمران تھی——— زندگی کے بارے میں ان کا نقطہ نظر ایک تھا ان کی ضرورتیں بھی سادہ تھیں۔اجتماعی سرگرمیوں نے ان کی خداداد صلاحیتوں کو بارآور کیا۔ نئے امکانات نے جنم لیا۔ انسان کے نقطہ نظر میں وسعت پیدا ہوئی۔شعور میں اضافہ ہوا اور ضروریات پیچیدہ ہوگئیں اور اسی وجہ سے اختلافات نے قدم جمائے،توانا اور ناتواں میں کشمکش پیدا ہوئی۔اجتماعی زندگی قانون کی محتاج ہوئی جو حق کی تشخیص اور انصاف کو قائم کرے اور معاشرتی اکائی کو امن کے چوکھٹے میں محفوظ کر دے وہ تمام

[1] سورہ بقرہ: ۲۱۳

صلاحیتیں جو زندگی کی کشاکش میں نشوونما پا چکی تھیں وہ باہمی دوری، کشمکش اور ذاتی مفاد میں صرف ہونے کے بجائے ایسے محور پر مرکوز رہیں جن میں تمام عوام کی خیر و بہبود اور آرام و استحکام موجود ہو۔ ایسے نازک اجتماعی مرحلے پر پیغمبروں کے توسط سے حکومت قائم ہوئی اور انہوں نے صحیح حکومت قائم کرنے کے لئے جدوجہد کی اور خدا نے ریاست حقہ کے اصول بنائے جیسا کہ مندرجہ بالا آیت سے ظاہر ہے۔

پیغمبران خدا میں ہر ایک نے اپنے عظیم منصب کے پیش نظر ایک مناسب ریاست قائم کرنے کی کوشش کی۔ ان میں چند ایک مثل حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام خود حکمان بنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی اس حکومت کے قیام کی کوشش میں گزار دی۔ تاریخ میں پیغمبر اسلام نے گذشتہ انبیاء کی کوششوں کو بہترین شکل میں پاکیزہ ترین ریاست کے قالب میں ڈھالا۔ اسلامی ریاست تاریخ انسانیت کے ہی ایک نئے موڑ کا حکم رکھتی ہے۔ جس میں ایک عمدہ حکومت کی تمام خصوصیات کامل صورت میں نمایاں ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امامت نے جو نبوت کا ہی استمرار ہے اسلام کی صحیح نہج پر چلانے کے لئے نتیجہ خیز کوششوں کو جاری رکھا ائمہ علیہم السلام نے اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ حضرت حسین بن علی علیہما السلام ان کے پاک و برگزیدہ رفقا کی شہادت اس بڑے جہاد کی روشن علامت ہے امامت غیبت کبریٰ کے بعد مرجعیت میں مستمر رہی جیسا کہ امامت نبوت کا استمرار تھی۔ مرجعیت نے اس پیغام کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا اور عرصہ دراز تک مختلف شکلوں میں اس مہم کو انجام دینے یا اس کے لئے بنیاد فراہم کرنے کے لئے سخت کوشش کی۔

علمائے شیعہ نے امت اسلامی کے ستم کش وصالح بندوں کی اعانت سے باطل کی مختلف قوتوں سے نبرد آزما ہونے میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں چونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ انبیا وائمہ کی اس ریاست سے نسبت رکھتے ہیں جو حق و عدل پر مبنی ہے۔ انہوں

نے استقلال کا دامن نہ چھوڑا۔ یہ وہی ریاست ہے جس کے قیام کے لئے انسان سے محبت کرنے والوں اور دنیا کے نیکوکاروں نے جدوجہد کی۔

چونکہ ایران کی مسلمان بہادر قوم دوسروں سے زیادہ مرجعیت اور دینی تعلیمات کے ساتھ وابستہ تھی اس لئے اس نے انبیا، ائمہ اور صدیقین کی حکومت کی راہ پر ثابت قدمی اور باطل قوتوں کے خلاف جہاد کو وہ مضبوط بنیاد عطا کی اور وہ مقدس تحریک چلائی جو امام خمینی دام ظلہ کی حکیمانہ قیادت میں اپنی رسالت اور سیاست کے ذریعہ عروج پر پہنچی۔ اس نے کفر کے طاغوتوں سے تلخ و دردناک جنگ لڑی اور جدید فرعون کے مقابلے میں دلیرانہ استقامت دکھائی اسے اور عالم اسلام میں کفر و استعمار کو عبرتناک شکست دی۔

قدرتی بات ہے کہ مسلمان قوم کا ایمان زیادہ ہوا۔ اس کا اپنے عظیم مشن پر ایقان بڑھا۔ اس بات پر ایمان، کہ قوت اسلام سے حاصل کی جاسکتی ہے کیونکہ نور اسلام اور مرجعیت کی عظمت اور قائد بزرگ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی سخت کوشی نے مضبوط بیڑیوں کو توڑا اور اسیری کی بھاری زنجیروں کو گردن سے اتار پھینکا۔ پس اسلام صرف پیغام ہی نہیں بلکہ وہ نجات دہندہ ہے اور مقابل میں ڈٹ جانے والی وہ منفرد قوت ہے جس نے اس قوم کو اتنی بڑی فتح مندی سے ہمکنار کیا اور یہی وجہ ہے کہ دلیر مرجعیت کی طرف سے جمہوری اسلامی کا اسلامی شعار و نصب العین ایرانی معاشرے کی دل کی دھڑکنوں کی زندہ تعبیر ہے اور یہ اس جہاد کا قدرتی نتیجہ اور فتح و نصرت کی راہ میں ملت کے استمرار کی ضمان ہے جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے۔

ایران کی عظیم قوم نے جمہوری اسلامی کے قیام اور اس فکر کی تاسیس کے لئے جدوجہد کی ہے اس نے نہ صرف اپنا احیا کیا ہے بلکہ اس تاریک دور میں جبکہ تمام مسلمان اقوام ایک نجات دہندہ کی منتظر ہیں تاکہ وہ انہیں مغرب اور اس کے استعماری اور پرفریب تمدن کے غلبہ سے رہائی دلائے اور تمام بنی نوع انسان اس رسالت کی ضرورت کا احساس

کر رہے ہیں جو انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے نجات دلائے ایران کی مسلم قوم تمام عالم اسلام بلکہ پورے جہان کے لئے روشنی کا مینار ہے۔

ایران کی مسلمان قوم جہاد اور بہادری سے بھرپور تاریخ کے ان شاندار لمحات میں حقیقی انقلاب و فتح مندی کا مژدہ سناتی ہے اور وہ اخیری صدیوں میں پہلی مرتبہ حکومت اسلامی کے دستور کو مطمع نظر بنائے ہوئے ہے اور پختہ عزم رکھتی ہے کہ قانون خداوندی کو اس تجربے میں کامیاب اور زندگی بخش ثابت کرے اور جس طرح کہ اس نجیب قوم نے دنیا کے وجدان کو جھنجھوڑا اور بے بنیاد مادی اقدار کو اپنی طویل جدوجہد کی اقدار کے مقابل میں متزلزل کر کے رکھ دیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ پھر گرم کردہ راہ انسانیت کو اور کروڑوں درمند دلوں کو اسلامی مشن کے مطابق ابھارے گا اور دنیا کی نئی روشنی یعنی اسلامی نور اسلام سے منور کرے گی وہ نور جس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے اہل مغرب اور ان کے گماشتے کوشاں تھے انہوں نے اپنی فوجی کارروائیاں اپنے پوچ اور پُرفریب تمدن کی اشاعت اور عقائد کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے سے کوشش کی کہ جہان اسلام کو اس روشنی سے دور رکھیں تا کہ وہ اپنے تسلط کو قائم رکھیں اور عالم اسلام ہمیشہ مغربی تمدن کا پیرو رہے وہ اسلام جسے استعمار نے نیزے اور سیاست بازی سے تاریک قلعے میں بند کر رکھا تھا تا کہ عالم اسلام پر اپنا دل پسند رنگ چڑھا سکے وہ ایرانی مسلمان کے توسط سے تاریخی اور گلوگرفتگی سے آزاد ہوا۔ اس نے ظالموں کے جسم پر لرزہ طاری کر دیا وہ ایک مجاہد اور بہادر قوم کی تشکیل کے لئے ایک نمایاں نشان بن گیا سرکشوں اور استعمار پرستوں کے خلاف وہ شمشیر برآں بن کر غلاف سے نکل آیا اور اس نے نئی امت کی نئی تخلیق کے لئے اصول وضع کئے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کے مخفی چہرے سے پردہ الٹ کر نہ صرف قوت اسلام اور ملت ایران کی جوانمردی کو اجاگر کیا بلکہ اسلام کو مقید رکھنے والوں کے جرم کو آشکار کیا اور ان لوگوں کو بھی ظاہر کیا جو اسلام کی اشاعت و توسیع میں مانع تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ اس کے شارع کی عظیم قوت کا برملا اظہار ہو۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت حال کو بہ دلیل

واضح کیا۔ اسلام کا یہ نیا پرتو جو ایرانی مسلمان کے توسط سے عکس افگن ہوا ہے جلد ہی ان حکومتوں کو جنھوں نے اجیروں کی طرح اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کر رکھا ہے۔ اس طرح رسوا کرے گا جس طرح کہ اس نے اسلام کی مخالف حکومتوں کو رسوا کیا۔

اسلامی جمہوریہ کا آئین اور اس کے فکری اصول

ملت ایران کی روحانی خصوصیات پر نظر ڈالنے سے تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

﴿۱﴾ اسلام سے وابستگی کا شعور کامل اور یہ ایمان مطلق کہ زندگی کا اساسی منصوبہ اسی کے سہارے بنانا لازم ہے۔

﴿۲﴾ ان کا ایمان جو انہیں باشعور قیادت اور نبرد آزما مرجعیت پر ہے جس نے ان لوگوں کو جدوجہد کے مشکل ترین دور سے گزر کر طاغوت پر غلبہ حاصل کرنے میں مدد دی اور انہیں کامیاب وکامران کیا۔

﴿۳﴾ ان کا وہ ایمان جو انہیں ایرانی انسان کی عظمت، اس کی آزادی ومساوات اور اسلامی معاشرے کی تعمیر میں اس کے کردار پر ہے ان کے اس شعور اور ایمان کے پیش نظر میں ان مطالب کو پیش کرتا ہوں جو جمہوری اسلامی کے بنیادی اور فکری ارکان ہیں۔

﴿۱﴾------------- حاکمیت مطلقہ صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اس بڑی حقیقت کا اثبات وہ عظیم ترین انقلاب ہے جو انبیائے خداوندی کے توسط سے شروع ہوا اور انہوں نے انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے میدان جہاد میں قدم رکھا۔ خدا کی حاکمیت مطلقہ سے مراد یہ ہے کہ انسان آزاد ہے اور کوئی شخص، کوئی طبقہ اور کوئی گروہ

اس پر حق حکمرانی نہیں رکھتا۔ حکومت و ملکیت صرف خدا ہی کے لئے ہے یہ اصول ہر قسم کے جھوٹ، استحصال اور انسان کے انسان پر غلبہ کو ختم کرتا ہے۔ دنیا کے سرکش بادشاہ بھی مدتوں تک اس خدائی حق کے دعویدار رہے لیکن ان کا دعوی انبیا کی اس دعوت سے بنیادی طور پر مختلف ہے جن کا شعار لا الہ الا اللہ تھا یہ ظالم نام کی حد تک تو حکومت خدا کی کہتے تھے تا کہ اس سے فائدہ اٹھائیں، خدا کے نام پر جس شخص کو چاہتے تھے لوگوں پر مسلط کر دیتے تھے لیکن انبیا اور ان کی رہنمائی میں آزادئ بشر کے لئے آگے بڑھنے والے کاروان میں انسان کو آزاد کرانے والے خدا کی حاکمیت مطلقہ پر ایمان رکھتے تھے۔ انہوں نے اللہ کی حاکمیت کو سچے معنی میں اپنے آئین کے اندر سمولیا لہٰذا کوئی شخص یا گروہ، خاندان اپنے تغلب کے لئے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جب تک اللہ کی حاکمیت اس کی اساس اور نظام اسلامی اس حکومت کی جلوہ گاہ نہ ہو تمام ظالمانہ فرمانروائی اور حکمرانی خود بخود اس کے طفیل ختم ہو جائے گی اور حکومت اسلامی کی ذمہ داریاں انجام دینے کا طریق کار بھی اسلامی شریعت ہی متعین کرے گی۔

﴿۲﴾ جمہوری اسلامی میں دستور و آئین کی بنیاد احکام اسلامی ہیں اور تمام قوانین اسلامی شریعت کی روشنی میں یوں وضع ہوتے ہیں۔

﴿الف﴾ وہ احکام جن کا ثبوت فقہ اسلامی سے واضح ہو چکا ہے معاشرتی زندگی کے رابطے کی حد تک آئین کا لازمی جز شمار ہوں گے۔

﴿ب﴾ ان احکام میں سے جن میں شرعی اجتہاد کی بنا پر مجتہد مختلف رائے رکھتے ہوں، قانون ساز ادارے کو اختیار ہوگا کہ وہ ان میں سے ایک کو معاشرے کی بہبود کے پیش نظر اختیار کرے۔

﴿ج﴾ ان احکام کے متعلق جو واجب یا حرام کے قطعی احکام میں شامل نہیں قانون ساز ادارہ جو نمائندہ ملت ہے عوام کی بہبود کے پیش نظر قانون بنا سکتا ہے بشرطیکہ وہ اسلام کے بنیادی قوانین سے متصادم نہ ہوں۔

اس قانون سازی کے دائرہ اختیار میں وہ تمام موضوعات شامل ہیں جن کی شریعت نے لوگوں کو صوابدید پر چھوڑ دیا ہے اور ان کو آزادی عمل حاصل ہے بشرطیکہ وہ دیگر اسلامی احکام سے متصادم نہ ہوں۔ اسے ہم ''شیعہ آزاد قانون سازی'' کہیں گے۔

﴿۳﴾ قانون ساز ادارہ اور انتظامیہ عوام کی تائید ہی سے وجود میں آتی ہیں درحقیقت امت ہی ہے جو قانون اساسی اسلامی کے اندر رہ کر ان دو اہم امور کی ذمہ دار ہے اور یہی وہ حق خلافت ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا اور امت ایسی صالح خلاف پا کر ذمہ داری کا احساس کرتی ہے کیونکہ وہ خدا کی قائم مقام ہونے کی حیثیت سے ارض خداوندی پر تصرف کرتی ہے اس خصوصیت کے ہوتے ہوئے بھی حاکمیت اور فرمانروائی کی حامل نہیں۔ وہ صرف خدا کے سامنے حامل امانت کی حیثیت سے جوابدہ ہے۔

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ﴿۷۲﴾

ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو اپنی امانت پیش کی سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈرے، انسان نے اسے اٹھالیا۔ یقیناً وہ ظالم اور نادان ہے۔ [1]

عوام کس طرح ان دو کاموں کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

قانون ساز ادارے اور انتظامیہ کو وجود میں لانے کے لئے عوام کا طریق کار حسب ذیل ہے۔

﴿اول﴾ عوام کو اختیار ہے کہ وہ فرمانروائے مملکت کو وزیر اعظم کہیں یا صدر

[1] سورہ احزاب: ۷۲

مملکت کا نام دیں جس کے ذمہ مملکت کی حکومت ہو۔ جب وہ مرجع کی طرف سے امیدوار ہو انتخاب کریں مرجع کی طرف سے فرمانروائے مملکت نامزد کرنے کا طریق شق نمبر ۴ میں بتایا جائے گا۔ فرمانروائے منتخب اپنے ارکان حکومت کو خود نامزد کرے گا۔

﴿دوم﴾ عوام آزاد و براہ راست انتخاب کے ذریعے ایک صاحب اختیار مجلس اہل حل وعقد منتخب کریں گے اس مجلس کے حسب ذیل اختیارات ہونگے۔

﴿الف﴾ ان ارکان کی تصدیق جو سربراہ مملکت قوانین کو نافذ کرنے کے لئے نامزد کرتا ہے۔

﴿ب﴾ عوام کی بہبود کے پیش نظر اجتہادی آرا میں سے ایک کا انتخاب۔

﴿ج﴾ مناسب قوانین بنا کر آزاد قانون سازی کے شعبہ کا اجرا۔

﴿د﴾ قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں ارکان حکومت کی نگرانی مجلس کو بیان طلبی اور مواخذہ کے اختیار ہونگے۔

﴿۴﴾ لائق اور صالح مرجعیت شریعت اسلامی کی نمائندہ ہے اور مرجع شریعت کی رو سے امام علیہ السلام کا نائب عمومی ہوتا ہے حکومت اسلامی کے مندرجہ ذیل امور پر اسے ولایت حاصل ہوگی۔

﴿۱﴾ حکومت کا سب سے اعلیٰ نمائندہ مرجع ہی ہے فوج کی سربراہی بھی اسی سے مخصوص ہے۔

﴿۲﴾ امیدوار نامزد کرنا یا انتظامیہ کی سربراہی کے لئے نامزد امیدوار کی منظوری دینا مرجعیت کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ نامزد کرنا اور کامیاب منتخب امیدوار کے لئے حکم جاری کرنا دراصل اسے ولایت اور شرعی وکالت عطا کرنا ہے فرمانروائے مملکت کا نامزد کرنا اور تصدیق کرنا اس کو ایک تقدس اور شرعی حیثیت عطا کرتا ہے۔

﴿۳﴾ اس بات کا جائزہ لینا کہ وضع شدہ آئین شریعت اسلامی کے مطابق ہے یا نہیں؟ مرجع کے اختیار میں ہے۔

﴿۴﴾ قوانین اجتماعی کی آخری تصدیق جو آزاد قانون سازی کے شعبے میں وضع کئے گئے ہیں۔ مرجع کے اختیار میں شامل ہے۔

﴿۵﴾ مندرجہ بالا موضوعات میں ہر ممکنہ خلاف ورزی کے احتساب کے لئے ایک عدالت تشکیل دے گا۔

﴿۶﴾ مرجع مملکت کے تمام حصوں میں مظلوموں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے مقدموں اور شکایتوں کی تحقیق و تفتیش کے لئے صاحب اختیار عدالتیں قائم کرے گا۔

اسی طرح مرجع ایک سو فاضل اور روشن فکر متدین حضرات کی ایک مجلس تشکیل دے گا یہ مجلس مختلف شہروں اور حلقوں کے علما، خطبا، مصنفین اور اسلامی مفکرین پر مشتمل ہوگی۔ کم سے کم ان میں دس مجتہد ضرور شامل ہوں اور مرجعیت اس مجلس کے ذریعہ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے گی۔ اس مجلس کا نام ''شورائ مرجعیت'' رکھا جائے گا۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

مرجعیت کیا ہے اور کون شخص اس کا مستحق ہے؟

مرجعیت ایک اجتماعی حقیقت ہے جو امت اسلامی میں قائم ہوئی ہے اور شرعی قوانین وضوابط پر مبنی ہے موجودہ زمانے میں اس مرجعیت کا حق رہبر انقلاب اسلامی امام خمینی ام ظلہ کو ہی پہنچتا ہے جو بیس برس سے ملت کی رہنمائی فرما رہے ہیں اور ملت ان کی دلیرانہ اور دانشمندانہ رہنمائی میں کامیاب وکامران ہوئی۔ لیکن عام طور پر طویل مدت میں حکومت اسلامی کی عالی رتبہ سمبل اور مرجعیت کے لئے وہی شخص موزوں ہوسکتا ہے جو مندرجہ ذیل خصوصیات سے آراستہ ہو۔

﴿اول:﴾ اس میں اجتہاد مطلق اور عدالت جیسی مرجع دینی کی تمام صفات موجود ہوں۔

﴿دوم:﴾ اس کی فکری اساس جو اس کی تالیفات و مباحث سے ظاہر ہو، حکومت اسلامی اور اس کے دفاع کے بارے میں اس کے افکار و خیالات کو واضح کرتی ہو۔

﴿سوم:﴾ اس کی مرجعیت اس طریق پر کار بند ہو جو ہمیشہ شیعہ تاریخ میں مقبول رہا ہے۔

﴿چہارم:﴾ مجلس شوریٰ مرجعیت کے اکثر ارکان اس کی صلاحیتوں کو تسلیم کریں ان کے علاوہ دینی کارکنوں کی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد آئین میں معین کر دی جائے گی جن میں علما، علمی و دینی مدارس کے طلبہ، ائمہ جماعت، خطبا اور اسلامی مفکرین

شامل ہوں گے اس کے سیرت و کردار کو مانیں اور سراہیں۔ اگر صاحب صلاحیت مراجع کی تعداد زیادہ ہو جائے تو عوام ریفرنڈم کے ذریعے ان میں سے ایک کو منتخب کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

﴿۵﴾ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا عوام اس امانت حکومت کی ذمہ داری سنبھالنے اور استحقاق کے لحاظ سے قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور ان میں سے ہر شخص مختلف حیثیتوں میں رائے دینے اور سیاسی عمل جاری رکھنے کا اسی طرح حق رکھتا ہے جس طرح کہ لوگ مذہبی و دینی شعائر و مراسم کو ادا کرنے میں آزاد ہیں حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے غیر مسلم ہم وطنوں کو بھی یہ آزادی دے جنھوں نے سیاسی طور پر حکومت کو قبول کیا ہے اور عمومی عقائد کے دائرے میں اس سے تعاون کرتے ہیں۔

﴿۶﴾ جمہوری اسلامی ایران اپنے عظیم مشن اور ذمہ داری کی وجہ سے ایران کے اندرونی اور بیرونی معاملات میں اپنے عظیم تاریخی فرائض کو ادا کرنے کی ذمہ دار ہے۔

ایران کے داخلی مسائل میں:

﴿۱﴾ زندگی کے تمام شعبوں کو اسلام سے ہم آہنگ بنائے۔

﴿۲﴾ معیشت میں ہر قسم کے طبقاتی نظام کو مٹانے کے ساتھ اسلام کے صحیح اقتصادی نظام کو قائم کرے۔ شرعی اصولوں پر دولت کو تقسیم کرے۔ ملت کے ہر فرد کے لئے آرام و آسائش کے وسائل پیدا کرے اور عدل اجتماعی اور معاشرتی امن کی ضمانت دے۔

﴿۳﴾ حقیقی اسلام کی تبلیغ و تعارف کے لئے کوشش کرے اور اسلامی ثقافت کی بنیاد پر عوام کی اس طرح تربیت کرے کہ وہ ہمیشہ انقلاب اسلامی کے محافظ رہیں۔

ایران کے خارجی مسائل میں:

﴿الف﴾ پورے کرہ ارض کے لئے اسلامی ہدایت کی مشعل بردار ہو۔

﴿ب﴾ سیاسی امور میں اور خارجی معاملات میں حق وعدل کی حمایت اور اسلام کی اعلیٰ قدروں کو اجاگر کرے۔

﴿ج﴾ دنیا بھر کے محنت کشوں اور مظلوموں کی مدد کرے، استعمار اور سامراجی سازشوں کا مقابلہ جاری رکھے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآنی حکومت کے مقاصد کبھی ختم نہیں ہوں گے کیونکہ کلمات خداوندی ختم ہونے والے نہیں اور اللہ کی طرف سفر کا راستہ کبھی کھوٹا نہیں ہوتا اور حکومت اسلامی کی عجیب وغریب قوت، انقلابی توانائی اور کمال اتحاد کا راز خدا کی طرف حرکت کا نام ہے:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

ان سے کہہ دو اگر کلمات خداوندی لکھنے کے لئے سمندر بھی سیاہی بن جائے کلمات ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائیں گے۔ اگرچہ اس قسم کی اور چیزوں سے بھی مدد ملے۔ [۱]

مذکورہ بیانات کی روشنی میں بیان کردہ فقہی ڈھانچہ یوں استوار کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حقیقی ولایت خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

۲۔ لائق مطلق وعادل ومکمل با کفایت مجتہد کو حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے فرمان کے مطابق امام کی نیابت عامہ حاصل ہوتی ہے۔

---

[۱] سورہ کہف: ۱۰۹

واما الحوادث الواقعه فارجعوا فیها الی رواة حدثینا
فانهم حجتی علیکم وانا حجته الله علیهم

زمانے کے نئے رونما ہونے والے مسائل و واقعات میں
ہماری حدیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ
تمہارے لئے میری حجت ہیں اور میں ان کے لئے حجت
خدا ہوں۔ [1]

یہ نص نشاندہی کرتی ہے کہ وہ لوگ زمانے کے تمام حوادث میں اصول زندگی کو شریعت اسلامی پر منطبق کرنے کی حد تک مرجع ہیں کیونکہ اس نقطہ نظر سے کہ وہ احادیث ائمہ کے شارح وترجمان اور آئین اسلام کے حامل ونگہبان ہیں۔ قانون مرجعیت انہیں اسلامی احکام کی تطبیق اور ان کے نفاذ کی مکمل نگرانی کی بنیاد پر حق ولایت وسرپرستی دیتا ہے۔

﴿۳﴾ عوام کو شوریٰ کی بنا پر عمومی خلافت حاصل ہے جو انہیں حق دیتی ہے کہ اپنے کاموں کا انتظام خود کریں، نائب امام کی نگرانی اور نگہبانی میں۔

﴿۴﴾ اصحاب حل وعقد کا نظریہ جو اسلامی معاشرے اور تاریخ کے ایک دور سے ہم آہنگ رہ چکا ہے اس میں ایسی تبدیلیاں عمل میں لائی جائیں جس سے وہ شوریٰ کے قانون اور نائب امام کی نگرانی کی دفعہ کے مطابق بن جائے اور ایسی مجلس کی صورت میں تشکیل پائے جس کے ارکان عوام کے منتخب نمائندے ہوں۔

ان مطالب کا جو خلاصہ بیان ہوا اس کی روشنی میں آپ حکومت اسلامی کی اس شکل وصورت کو دوسری مختلف حکومتوں کے اقسام سے موازنہ کر سکتے ہیں اور اسلام کے مقابل میں ان کے بنیادی اختلافات کو سمجھ سکتے ہیں۔

اولاً:۔ حکومت کے وجود پذیر ہونے کی حیثیت اور اس کے تاریخی بلوغ کے

---

[1] کمال الدین باب ۴۹ توقیع چہارم ص ۴۸۴ طبع نجف وسائل الشیعه ،۱۸ج، باب ۱۱ح ۹ ص ۱۵۱

زاویے سے ہم ان تمام افکار ونظریات کو رد کرتے اور غلط جانتے ہیں جو اب تک بیان کئے گئے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ حکومت ایسی وجود پذیر حقیقت ہے جو تاریخ انسانی کے مخصوص ادوار میں خدا کے فرستادہ انبیا کی ولایت کی بدولت ظہور میں آئی۔

تاریخ میں تشکیل حکومت کے بارے میں مندرجہ ذیل نظریات بیان کئے گئے ہیں۔

﴿الف﴾ طاقت کی حاکمیت اور قوت کے استعمال سے حکومت وجود میں آئی۔

﴿ب﴾ خدا کی طرف سے سلاطین کو حق بادشاہی اور حکومت عطا ہوئی۔

﴿ج﴾ اجتماعی عہد و پیمان سے حکومت وجود میں آئی۔

﴿د﴾ خاندان کی ترقی یافتہ شکل سے حکومت وجود میں آئی

ثانیاً:۔فریضہ حکومت سے متعلق ہم نظام فردی کو جو فرد کی اصالت پر مبنی ہے اور اشترا کی نظام کو جو معاشرے کی اصالت پر قائم ہے صحیح نہیں سمجھتے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ حکومت اسلامی قوانین خداوندی کا نفاذ ہے جو فرد اور معاشرے میں توازن برقرار رکھتی ہے اور معاشرے کا تحفظ کرتی ہے لیکن ہیگل کے اس خیال کے تحت نہیں کہ فرد کے مقابل معاشرہ جداگانہ بھی موجود ہے بلکہ اس لئے کہ دراصل معاشرہ افراد اور جماعتوں کا مجموعہ ہے جس کا احترام اور حمایت ضروری ہے۔

ثالثاً:۔ حکومت کی شکل وصورت، حکومت اسلام حکومت قانون ہے اور وہ بہترین انداز میں قانون پر بھروسہ کرتی ہے کیونکہ قانون اسلام حاکم ومحکوم پر مساوی بالادستی رکھتا ہے اسی بنا پر شہنشاہیت اور شخصی حکومت کے تمام نظام، نیز اشرافی نظام حکومت اسلامی نقطہ نظر سے غلط ہیں۔

رابعاً:۔حکومت اسلامی میں ڈیموکریسی کے تمام اوصاف موجود ہیں لیکن وہ اس کے نواقص سے مبرا ہے اور وہ اس میں ان اوصاف کا اضافہ کرتی ہے جن کی بدولت وہ انحراف سے محفوظ رہتی ہے ڈیموکریٹک نظام میں عوام سروری کا سرچشمہ ہیں لیکن اسلام میں عوام خدا کی طرف سے مرکز خلافت ہیں اور اس کے سامنے اپنے منصب کے لئے

جوابدہ ہیں۔

ڈیموکریسی میں قانون مکمل طور پر انسانی تخلیق ہے اور اس کی بہترین صورت جو کبھی کبھی نظر آتی ہے اکثریت ہمیشہ اقلیت پر حکمرانی اور ان کے حقوق کو پامال کرتی ہے لیکن اسلام میں قانون اساسی کا محکم حصہ احکام خداوندی پر مشتمل ہے اور احکام خداوندی کا یہ مجموعہ قانون اساسی کی واقعیت کا ضامن ہے اور اس میں کسی قسم کی تفریق کو جائز نہیں سمجھتا۔ مثال کے طور پر اگر اسلام نے اجتماعی ملکیت اور حکومت کی ملکیت کو خصوصی ملکیت کے پہلو بہ پہلو مانا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تقسیم طبقاتی کشمکش کا نتیجہ ہے یا اس میں ایک خاص گروہ کے مفادات کو ترجیح دی گئی ہے بلکہ اس کے پیش نظر حق وعدل کے اصول کا اظہار ہے اس نقطہ نظر سے یہ قانون سازی اس طبقاتی جنگ کا مرحلہ پیدا ہونے سے پہلے وجود میں آ چکی تھی جسے مارکس معاشرے میں ایسے قانون کے وجود میں آنے کی شرط قرار دیتا ہے۔

خامساً:۔ اسلامی حکومت اگرچہ مختلف عہدوں کے باہمی تعلقات کو مشخص کرنے کے نقطہ نظر سے صدارتی نظام کے قریب تر ہے لیکن یہ نظام عمومی طور پر سرمایہ دارانہ حکومتوں میں رائج صدارتی نظام سے بہت زیادہ مختلف ہے جس کی بنیاد مقننہ کو انتظامیہ سے الگ رکھنے پر ہے۔ اسلامی زندگی کی عملی تطبیق کا لازمی نتیجہ حکومت ہے جو ایک سربراہ کی بدولت حقیقت پذیر ہوتی ہے جس کی خصوصیات شریعت نے متعین کر دی ہوں یا عوام نے اس کا انتخاب کیا ہو یا اس نے شریعت کی بنیاد پر عوامی انتخاب دونوں کے بل پر حکومت حاصل کی ہو۔

اس مختصر فرصت میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تفصیلی طور پر اختیارات اور تعلقات کی حد بندی کرنے کے سلسلے میں باقی دوسری حکومتوں کے ساتھ حکومت اسلامی کے فکری اختلافات کا جائزہ پیش کریں یہ فقہی اجمالی خاکہ آپ علمائے کرام کے سوال کا مختصر جواب ہے اور اسلامی جمہوریہ کے لئے اختصار کے ساتھ فکری اصول بیان کرتا ہے جسے

مسلمان ملت ایران نے امام خمینی دام ظلہ کی رہنمائی میں وجود بخشا یہ بات یاد رہے کہ یہ فقط مزید تحقیق و تطبیق کے لئے ایک نظریہ ہے اور ممکن ہے اسلامی نقطہ نظر سے اس موضوع کو اجاگر کرے خدائے بزرگ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اپنی امان میں محفوظ رکھے اور اسلام کی راہ میں خدمات بجالانے اور پرچم حق بلند کرنے میں کامیاب کرے۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نجف اشرف۔۔۔محمد باقر صدر

۶ ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری قمر

﴿۲﴾

مصادر قوت

ترجمہ

حجۃ الاسلام سید ذیشان حیدر جوادی

﴿۲﴾

مصادر قوت

اسلامی حکومت کا مسئلہ کبھی اس اعتبار سے زیر بحث آتا ہے کہ یہ ایک شرعی ضرورت ہے اور ایک اسلامی فریضہ ہے کہ روئے زمین پر اللہ کی حکومت قائم کی جائے اور انسان کی خلافت کو مجسم شکل میں پیش کر دیا جائے اور کبھی اس اعتبار سے زیر بحث آتا ہے کہ اس کے اجتماعی اور تمدنی اثرات کیا ہیں اور دیگر معاشرتی تجربات کے مقابلہ میں اس حکومت میں عمل کی کس قدر قوتیں پائی جاتی ہیں۔

زیر نظر رسالہ میں اسی دوسرے رخ کو زیر بحث لایا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت صرف ایک مذہبی فریضہ نہیں ہے بلکہ ایک تمدنی ضرورت بھی ہے۔ یہی حکومت ایک تنہا راستہ ہے جس کے ذریعہ انسانی طاقتوں کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے اور انسان کو اس کے حقیقی مرکز تک پہنچایا جا سکتا ہے اور نتیجہ میں عالم انسانیت کو افتراق و بربادی اور غلامی سے آزاد کرایا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اسلامی حکومت کے امتیازات کو دو اہم موضوعات کے تحت پیش کیا جائے گا۔

﴿۱﴾ اسلامی حکومت کا عقائدی مزاج اور اس کے امتیازات۔

﴿۲﴾ مرد مسلم کا عقائدی اور نفسیاتی مزاج اور اس کے امتیازات۔

﴿۱﴾ اسلامی حکومت کی عقائدی ترکیب۔

﴿الف﴾ حکومت کی عقائدی ترکیب اور مقصد سیرۃ کامل

دنیا میں ہر باہوش حرکت کے لئے ایک مقصد ضروری ہے اور ہر تمدنی تحریک کے لئے ایک ہدف لازم ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے قدم آگے بڑھائے جائیں اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہدف ومقصد جہاں ظہور کے اعتبار سے سب سے آخر میں سامنے آتا ہے وہاں اپنے تصور کے اعتبار سے حرکت کے لئے محرک اور تحریک کے لئے ایندھن کا کام دیتا ہے تحریک دھیرے دھیرے مقصد کو ہضم کرتی رہتی ہے اور جب سارا مقصد مکمل ہوجاتا ہے تو تحریک خود بخود ختم ہوجاتی ہے اس لئے کہ مقصد ہی ایک ایندھن تھا جو حصول کے بعد ختم ہو گیا۔ اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی مخصوص علمی درجہ یا ڈگری حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہی درجہ انسان میں تحصیل علم کی تحریک پیدا کرے گا اور جیسے جیسے انسان ڈگری کے قریب ہوتا جائے گا مقصد ختم ہوتا جائے گا اور جیسے ہی ڈگری حاصل ہو جائے گی علمی تحریک خود بخود ختم ہوجائے گی اس لئے کہ جب تک کوئی نیا مقصد سامنے نہیں آئے تحریک کے لئے کوئی مزید ایندھن باقی نہیں رہ گیا۔

یہی حال اجتماعات اور معاشروں کا ہے کہ وہ اپنی تحریک میں جس مقصد کو بھی اپناتے ہیں وہی مقصد محرک بھی ہوتا ہے اور وہی قوت کا سرچشمہ بھی ہوتا ہے پھر جیسے ہی وہ مقصد حاصل ہوتا ہے تحریک ختم ہو جاتی ہے اب اگر مقصد محدود ہے تو حرکت بھی محدود ہوگی اور ایک دن تغیر وتصور اور ایجادات کی تمام قوت ختم ہو جائے گی اور مقصد کے وجود کے ساتھ ہی تمام تحریکات فنا ہو جائیں گی اور مقصد لامحدود ہے تو تحریک کے ساتھ حرکت کا سلسلہ جاری رہے گا یہی وجہ ہے کہ تاریخی مادیت انسانی تغیرات میں اپنے جدلیاتی قوانین کی بنا پر سیرۃ کامل کے مخصوص تصورات کی بنا پر عجیب وغریب مشکل سے دو چار ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ تاریخی حرکت اور انسانی رفتار کا مقصد ایک غیر فکری اور غیر شعوری

مقصد ہے اور وہ صرف پیداواری قوتوں سے موانع کو برطرف کر دینا اور شخصی ملکیت کا خاتمہ کر کے اجتماعی معاشرہ کا قائم کر دینا ہے جیسا کہ مارکسیت نے اعلان کیا ہے اور اس اعلان کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت اشترا کی معاشرہ قائم ہو جائے گا انسان کی حرکت موقوف ہو جائے گی اور معاشرہ مزید آگے نہ بڑھ سکے گا۔ سیرت کامل کی آخری حد اشترا کی محاسن ہیں اور بس۔

نظام تقسیم سے وسائل پیداوار کو آزاد کرا دینا ایک محدود مقصد ہے۔ یہ مقصد اگر تاریخ کا محرک بنایا گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وسائل پیداوار کے آزاد ہوتے ہی تاریخ کی حرکت رک جائے گی اور انسان کی تمام تخلیقی طاقتیں فنا ہو جائیں گی اور ان کا سرچشمہ خشک ہو جائے گا۔

حالانکہ انسانی تمدن کی تحریک کا ہدف اور مقصد ایسا ہونا چاہئے جس سے انسان ہمیشہ قریب ہوتا رہے اور قرب کے بعد نئے آفاق کی روشنی حاصل کرے اور ایک نئے غیر محسوس عالم کا مشاہدہ کرے تا کہ سیرت کامل مسلسل جاری رہے اور شعلہ نفس میں چمک حرکت میں نشاط اور انقلاب میں نیرنگی پیدا ہوتی رہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے اسلامی حکومت اللہ کو انسانی سفر کا مقصد قرار دیتی ہے اور صفات آیہ علم قدرت، عدالت، رحمت جود و کرم مقصد کے واضح نشانات تصور کرتی ہے جس کے مجموعہ سے انسان کے سیرت کامل کا ایک مکمل مقصد سامنے آتا ہے اور انسان جیسے جیسے اس ہدف کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور اس سے قریب تر ہوتا رہتا ہے۔ اس کے سامنے اور وسیع تر آفاق کے دروازے کھلتے رہتے ہیں اور اس کے عزم اور حوصلہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ انسان محدود ہے اور محدود لامحدود کو محیط نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جیسے جیسے راستہ طے ہوتا جائے گا نئی ہدایتیں حاصل ہوتی جائیں گی اور راستہ خود مزید سعی کی دعوت دے گا۔ ارشاد قرآنی ہے

جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم ان کو مزید

راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں۔ [۱]

یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت کا پروردہ انسان جس نے مطلع تاریخ امت ہی سے نئی تاریخ سازی کا کام شروع کیا تھا اس کے نفس کا شعلۂ عمل ابھی تک خاموش نہیں ہوا اور اس کا عمل برابر جاری ہے۔ اس کا ہدف حقیقی پروردگار ہے اور اس کا عدل مطلق برابر معرکہ حیات کے لئے ایندھن فراہم کر رہا ہے۔ وہ ہر محاذ پر ظالمین سے برسر پیکار ہے اور دنیا کے ہر طاغوت سے نبرد آزما ہے۔ نہ ایک قریہ، نہ ایک جزیرہ، نہ ایک قوم بلکہ تمام کائنات ارض کے تمام ظالم اور تمام طاغوت سے۔

عقیدہ کی یہی طاقت تھی اور ایمان کا یہی شعلہ جوالہ تھا جسے دیکھ کر بادشاہ کسریٰ اپنے جبروت سمیت لرز گیا جب اس نے عبادہ بن صامت سے تمسخرانہ انداز میں پوچھا کہ ان مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اتنی بڑی شہنشاہیت سے جنگ کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور عبادہ نے جواب دیا کہ اسلامی لشکر کا مقصد صرف مظلومین کو آزاد کرا دینا ہے یعنی عدل مطلق کے تقاضے ختم ہونے والے نہیں ہیں اور ہدف مطلق ہمیشہ تحریک اور حوصلہ افزائی کی قوت رکھتا ہے۔

> اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اگر سارے سمندر کلمات رب کے لئے سیاہی بن جائیں تو بھی سمندر کلمات سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گے۔ چاہے دوسرے سمندر بھی اس کی مدد کو آ جائیں۔ [۲]

اسلامی حکومت کی عقائدی ترکیب جس کی بنیاد اللہ اور اس کے صفات و کمالات پر ایمان ہے اور جس نے اللہ کو انسانی سیرت کامل کا ہدف اور تمدنی تحریکات کا مقصد قرار دیا ہے تنہا ترکیب ہے جو تمدنی تحریک کو غیر متناہی حوصلہ اور غیر قانونی قوت و

---

[۱] عنکبوت:۶۹

[۲] کہف:۱۰۹

طاقت دے سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تمام نسبتی اور وقتی اہداف و مقاصد کی مخالفت کی ہے اور ایک مطلق ہدف کی طرف ذہنوں کو موڑ دیتا ہے کہ وقتی مقاصد اپنے حصول کے بعد حرکت کو روک دیں گے اور حوصلوں کو پست کر دیں۔ مرد مسلمان جب ایک قریہ ایک شہر یا ایک قوم میں ظلم کے خلاف جہاد کرتا ہے تو اس کی نظر میں یہ ظلم دیگر مظالم سے الگ نہیں ہوتا اور وہ صرف اسی ظلم کے ازالہ کو اپنے مقصد جہاد نہیں سمجھتا بلکہ اس کا ہدف مطلق ہوتا ہے اور وہ ہر ظلم کو مٹا دینا چاہتا ہے ورنہ ہدف نسبتی اور مقامی ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ مسلمان اس قریہ کے ظلم سے ناراض ہے اور دوسرے قریہ کے ظلم سے راضی ہے اور یہ بات عقائدی مزاج کے خلاف ہے اور جب ظلم کو ظلم سمجھ کر مقابلہ کیا جائے گا تو اس میں افراد، اقوام اور علاقوں کا امتیاز نہ ہوگا اور عبادہ بن صامت کا وہ دور پلٹ آئے گا جب انہوں نے جزیرۃ العرب کے ساتھیوں کو لے کر بلاد فارس کا ارادہ کیا تھا اور مطلب یہ تھا کہ وہاں کے غریب کاشتکاروں کو کسریٰ کے مظالم سے آزاد کروایا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ اسلام محدود مقصد کا ساتھی نہیں ہے وہ مطلق ہدف کا علمبردار ہے اور مطلق ہدف کی رفتار عمل کبھی سست نہیں ہو سکتی اور اس کا شعلہ نفس کبھی بجھ نہیں سکتا۔

حکومت کے اسلامی عقائد کا اخلاقی پہلو

دنیا میں حق وعدل کا قیام اور معاشرہ کی صالح وصحت مند تعمیر ایسے مصائب وآلام کے برداشت کرنے کی متقاضی ہے جن کے لئے نفسیاتی محرک کا ہونا بے حد ضروری ہے اور وہ محرک مسئولیت کے شعور اور فریضہ کے احساس ہی سے پیدا ہوسکتا ہے جس کی راہ میں ہمیشہ موانع سامنے آتے رہتے ہیں اور رکاوٹیں کھڑی ہوتی رہتی ہیں اور سب سے بڑی رکاوٹ دنیا سے وابستگی اور اس سے تعلق خاطر ہے جو انسانی حرکت کو روک دیتا ہے اور اسے صالح تعمیر میں حصہ نہیں لینے دیتا۔ ایسی تعمیر میں حصہ لینا مشقتوں کا متقاضی ہے اور ایسا عظیم کام جدوجہد اور قربانی ومصائب چاہتا ہے یہاں ایسی شجاعت درکار ہے جس کی بنا پر انسان اجتماعی فوائد کے لئے اپنی ذاتی محرومیت برداشت کر سکے اور یہ کام اس کے بس کا نہیں ہے جو دنیا سے وابستگی اختیار کرنے اور اس کی لذتوں اور راحتوں میں گم ہو جائے ایسا انسان چند روزہ لذتوں سے الگ نہیں ہوسکتا اور بڑے مقصد کے لئے چھوٹی خواہشات کو قربان نہیں کر سکتا۔

بڑے مقاصد کے لئے انسانی طاقت کو منظم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے عقائد میں ایک ایسا اخلاقی پہلو پیدا کیا جائے جو اس کی اس انداز سے تربیت کرے کہ انسان دنیا کا آقا ہے غلام نہیں ہے۔ لذتوں کا مالک ہے مملوک نہیں ہے اس کا رخ وسیع تر زندگی کی طرف ہے محدود زندگی کی طرف نہیں ہے۔ اس کا ایمان یہ ہے کہ راہ خدا میں قربانی زندگی کا صرف نہیں ہے زندگی کی تحصیل ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے

حسب ذیل آیات میں اشارہ کیا ہے۔

ایمان والو اموال و اولاد تمہیں یاد خدا سے غافل نہ بنا دیں
کہ ایسا کرنے والا انسان خسارے میں رہتا ہے۔ [۱]
یاد رکھو تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے وجہ
آزمائش ہے۔ [۲]
مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص کی صبح اس عالم
میں ہو کہ اس کی تمام تر فکر دنیا ہو اس کا اللہ سے کوئی تعلق
نہیں ہے۔ [۳]

دنیا سے تعلق اور اس سے وابستگی ہر انحراف کی اساس ہے اور اس کے تصورات و خیالات کو دل میں رکھنا خلافت الٰہیہ کی ذمہ داریوں سے علیحدگی ہے۔ دنیا کی لذتوں میں ڈوب جانے کا مطلب ذکر خدا سے غفلت اور یاد خدا سے جدائی ہے اور نتیجہ میں ان تمام اقدار و افکار سے انحراف ہے جو خدائے وحدہ لاشریک کے عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہیں اور انسانی سیر زندگی کا مقصد بن کر اسے زمین سے بلند کر کے آسمانوں سے مربوط کر دیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد مسلم سے اس دنیاوی تعلق اور وابستگی کو جدا کر لیا اور دنیا کو اس کی واقعی حیثیت دے دی۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا کو مقصد قرار دینا عقیدہ سے متعارض ہے اور نتیجہ میں اس صالح تعمیر سے متصادم ہے جس کی طرف عقیدہ آخرت دعوت دیتا ہے اور جس کا انجام دنیا کے دار تربیت ہونے کے بجائے ارض فساد ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

---

[۱] منافقون:۹

[۲] انفال:۲۸

[۳] جامع السعادات:۲۶۲

زندگی دنیا صرف لہو لعب، زینت باہمی منافرت اور
اموال و اولاد کی زیادتی کی فکر ہے اور بس۔ [1]
لوگوں کی نگاہ میں عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر،
گھوڑے چوپائے اور زراعت کی محبت آراستہ ہوگئی ہے
حالانکہ یہ سب حیات دنیا کے سرمائے ہیں اور اللہ کے
پاس بہترین انجام ہے۔ [2]

انسان دنیا کی آخرت کا راستہ اور اس کے خیرات کے حدود میں انسان کے حقیقی وجود کے ارتقا کا ذریعہ اور اللہ سے تعلق اور اس کی طرف مسلسل سیر کا وسیلہ بنالے تو یہی دنیا باہمی مقابلہ اور اموال پر سگان دنیا کی طرح اختلاف کا میدان بننے کے بجائے صالح تعمیر اور مسلسل ایجاد کا میدان بن جائے گی۔ ارشاد ہوا ہے:۔

جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس سے دار آخرت کو طلب کرو۔
دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول جاؤ اور ویسے ہی احسان کرو جیسے
اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔ خبردار روئے
زمین پر فساد نہ کرنا اللہ فساد کرنے والوں کو درست نہیں
رکھتا۔ [3]

حدیث شریف میں وارد ہے، دنیا کو آخرت کے موقع بیچ ڈالو
کہ دونوں مل جائیں گے اور خبردار آخرت کو دنیا کے عوض نہ بیچنا کہ
دونوں کے خسارہ میں رہو گے۔

---

[1] الحدید:۲۰
[2] آل عمران:۱۴
[3] قصص:۷۷

اسلام نے دنیا کے بارے میں اس عبوری تصور کو صرف ایک نظریہ بنا کر نہیں پیش کیا بلکہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ نظریہ کو سلوک زندگی سے مربوط کر کے تصورات کو عالم واقع میں اتار دیا جائے اور دنیا کی تمام لذتوں کے ساتھ انہیں بنیادوں پر برتاؤ کیا جائے چنانچہ اس نے نظریہ کی عملی تعبیر وتفسیر اس انداز سے کی ہے کہ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

تم لوگوں کو ذوق کثرت نے اس قدر غافل بنا دیا ہے کہ ہر شخص مال کو میرا مال میرا مال کہہ رہا ہے حالانکہ تمہارا مال وہی ہے جس کو تم نے صدقہ میں دے کر بچا لیا ہے۔ یا کھا کر فنا کر دیا ہے یا پہن کر میلا کر دیا ہے۔ [1]

دنیا کے بارے میں اسلامی نظریہ رکھنے والے اور نظریہ کو عملی سانچے میں ڈھالنے والے انسان کا فرض ہے کہ دنیا سے اور اس کی حلال قوتوں سے اسی مقدار میں استفادہ کرے جو اس کے لئے محل ضرورت ہے۔ دنیا ضروریات کی تکمیل کے لئے ہے۔ ذخیرہ اندوزی اور مقابلہ کثرت کے لئے نہیں ہے۔ دنیا انسانی زندگی کا ہدف نہیں ہے اور اس کا کام اللہ کی راہ میں تیز قدم بڑھانے کے لئے طاقت وقوت فراہم کرنا ہے تو کھلی ہوئی بات ہے کہ انسان اسی مقدار میں استفادہ کرے گا جو اس کی ضرروت بھر ہو اور جس سے آخری مقصد کی تکمیل ہو سکے۔ ورنہ ضرورت سے زیادہ ذخیرہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان نے دنیا کو مقصد بنا لیا اور اس کی عبوری حیثیت ختم ہو گئی اور یہی جگہ ہے جہاں انسان اپنے صالح وصحت مند عمل کو بھول جاتا ہے اور کافی دور جا کر اسے اپنے انحراف کے نتائج برداشت کرنا ہوتے ہیں اور وہ ظلم وستم اور استبداد واستحصال کا شکار ہو جاتا ہے جیسا کہ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

جس نے دنیا سے ضرورت سے زیادہ لیا اس نے

---

[1] جامع السادات:۲۶

گویا موت کو بلا لیا اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہے۔[۱]

یعنی ہر شخص اپنی ضرورت سے زیادہ جمع کرنا شروع کر دے گا تو نتیجہ میں ہر شخص کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

اسلامی حکومت کے باشندوں کی یہی وہ صالح بنیاد ہے جس کی بنا پر انسان زمین کی فریب کاریوں اور معمولی لذتوں کی پریشانیوں سے نجات حاصل کرسکتا ہے جس کے بعد وہ تعمیر کی عظیم ترین ذمہ داریوں کو نہایت ہی کشادہ قلب، مطمئن نفس قوی دل و جگر اور منفعت بخش حساب کے ساتھ انجام دے سکتا ہے اور اس معاملہ میں خسارہ کا امکان نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے

اے صاحبان ایمان کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی طرف رہنمائی کروں جو تمہیں عذاب الیم سے نجات دلا دے تم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ اور راہ خدا میں نفس و مال کے ساتھ جہاد کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تمہارے پاس علم ہو۔[۲]

اسلامی حکومت کے عقائد کا سیاسی پہلو

اسلامی حکومت میں عقائد کا سیاسی پہلو انسان کے خیر کی طاقتوں کے ارتقا اور ان کے راہ عمل میں استعمال میں بڑا نمایاں رول ادا کرتا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ پہلو استحصال واستبداد کے ان تمام روابط کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے جو جاہل معاشرہ پر اثر انداز رہتے ہیں اور اسلام انسان کو انسان کی حکومت کے سیاسی، اقتصادی اور فکری ہر انداز سے آزاد کرتے ہوئے معاشرہ کو

---

[۱] جامع السعادت:۲۶

[۲] صف:۱۱

دو عظیم طاقتیں فراہم کر دیتا ہے۔ ایک اس استحصال کے مارے ہوئے انسان کی طاقت جس کی تمام تر صلاحیتیں شخصیتوں کی راہ میں ضائع ہو گئی تھیں اور انہیں اموال میں اضافہ اور زینت حیات دنیا کی بہتات کی راہ میں صرف کیا جا رہا تھا اور اب استبداد کے خاتمہ کے بعد یہی صلاحیتیں پوری انسانی برادری کے لئے خیر کی طاقت بن جائیں گی۔

اور ایک خود اس استبداد پسند انسان کی طاقت جو صرف استبداد کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی طاقت برباد کر رہا تھا اور اس سے انسانی برادری کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا۔ اور اب یہی طاقت اپنی حقیقی منزل پر تعمیر و عمل کی طاقت بن جائے گی۔ آپ حالات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ کتنے ہی امکانات حکومت طاغوت کی راہ میں تباہ ہوئے اور کتنے ہی صلاحیتیں استبداد و استحصال اور تحکم و جبروت کے استحکام کی نذر ہو گئیں جبکہ آزاد فضا میں یہی طاقتیں ارتقا و استحکام کا بہترین سرمایہ فراہم کر سکتی تھیں۔

اسلام کی تاریخ اپنے عملی تجربہ میں اس مسئلہ کی بہترین مثال ہے جہاں اس نے انسان کی حریت و کرامت کو واپس دلا کر ارتقا ایجاد کی بہترین فضا قائم کر دی تھی اور ہر انسان نسل، نسب، وطن، مال کے قیود سے بے نیاز ہو کر کام کر رہا تھا۔ جاہلیت زدہ معاشرہ کے غلام یا غلام نما انسانیت کے باصلاحیت قائد بن گئے تھے اور زندگی کے فکری سیاسی اور عسکری محاذوں پر اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ جبکہ اس کے پہلے یہ کچھ نہ تھا اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہاں افراد کے ارتقا کو صرف صلاحیت کے معیار پر پابند بنایا جاتا ہے اور یہی اسلامی حکومت کا مقصود ہے۔

امیر المومنین نے اپنے والی مصر سے ارشاد فرمایا

ہر شخص کے مرتبہ کو اس کی آزمائش کے ذریعہ پہچانو اور کسی
شخص کے امتحان کا ذمہ دار دوسرے کو نہ بناؤ اور نہ مکمل
آزمائش کے بغیر فیصلہ کرو۔ خبردار کسی شخص کی شخصیت اس
بات پر آمادہ نہ کرے کہ اس کے معمولی کارنامہ کو عظیم بنا

دو اور کسی شخص کی معمولی حیثیت اس امر کا سبب نہ بن
جائے کہ اس کی عظیم آزمائشوں کو معمولی بنا دو۔

اسلامی حکومت کا دوسرا سیاسی پہلو یہ ہے کہ اس حکومت میں حاکم اور محکوم کا معیار زندگی واقعی لحاظ سے ایک ہی ہوتا ہے اور ایک حاکم بھی ویسی ہی معمولی عمومی اور عادی زندگی گزارتا ہے جو محکومین کی زندگی ہوتی ہے۔ اس کا لباس مکان اور سلوک عام باشندوں جیسا ہوتا ہے یہاں مساوات صرف قانون کے الفاظ تک محدود نہیں ہوتی کہ اس کا کوئی واقعی اثر نہ ہو اور اس سے نہ انسانی زندگی بیدار ہو سکے اور نہ زندگی کے لئے کوئی صالح نمونہ فراہم ہو سکے۔

آج کے دور میں یہ بات انتہائی آسان ہے کہ طاغوت اور جبار حکام قوموں کے لئے قانون سازی میں دفتر کے دفتر سیاہ کر دیں اور ان میں حاکم ومحکوم کے درمیان مساوات کے سوا کچھ نہ لکھا جائے لیکن واقعی زندگی میں اس کا دور دور پتہ نہ ہو اور اس کی کوئی واقعیت نہ ہو۔ صرف الفاظ کی آڑ میں حقائق کی پردہ پوشی کی جائے اور حاکم ومحکوم کے درمیان طبقاتی امتیاز، حکام کی بالاتری، عوام کی پستی کو چھپا دیا جائے جبکہ اسلامی حکومت میں یہ ساری باتیں بوجہ دستور کے نقش جمیل نہیں ہوتیں بلکہ ان کی واقعی حیثیت ہوتی ہے اور انہیں زندگی میں برتنا پڑتا ہے جیسی کہ زندہ مثالی اسلام کی قدیم ترین تاریخ میں مولائے کائنات کی زندگی ہے جہاں آپ ایک حاکم اسلامی ہونے کے باوجود اپنے حریف مدعی کے ساتھ قاضی کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور اس سے پہلے جب ایک یہودی دربارِ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں آپ کی شکایت کرتا ہے تو آپ اس کے ساتھ دربار میں تشریف لے جاتے ہیں اور جب حاکم وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یہودی کا نام لے کر اور آپ کو ابوالحسن (علیہ السلام) کہہ کر خطاب کرتے ہیں تو آپ کی تیوریوں پر بل آ جاتے ہیں۔ حضرت عمر نے یہ تصور کیا کہ شاید ناگواری دربار میں حاضری کی بنا پر ہے آپ (علیہ السلام) نے فرمایا

میری ناگواری صرف اس لئے ہے کہ آپ نے فریقین
کے درمیان انصاف نہیں کیا۔ مجھے کنیت سے پکارا جو
طریقہ تعظیم ہے اور اس یہودی کا نام لے کر پکارا جو طریقہ
توہین ہے حاکم کو اس طرح کا امتیاز برتنے کا کوئی حق نہیں
ہے۔

اسلامی حکومت نے اس طرح حاکم و محکوم کے درمیان عدالت و انصاف کو مجسم کیا ہے اور خود حاکم کی شخصی زندگی کو بھی نمونہ عمل اور ضعیف المال انسانوں کے لئے تسکین روح کا سامان بنایا ہے جب حاکم عام باشندوں کی طرح زندگی گزارے گا اور اس کی زندگی میں بلند و بالا قصر نہ تیز رفتار اور آرام دہ گاڑیاں، دسترخوانوں پر نعمتوں کا انبار اور گھروں میں تحفوں اور جواہرات کا ہجوم نہ ہوگا تو ضعیف و ناتوان انسانوں کو خود بخود سکون روح حاصل ہو جائے گا۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں۔

کیا میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ مجھے امیر المومنین کہا
جائے اور میں ان کی زحمات اور مصائب زمانہ میں ان کا
ساتھ نہ دوں یا مجھے ان کے لئے زندگی تلخیاں برداشت
کرنے میں نمونہ بننا چاہئے؟

اسلام نے اپنے حاکم کو یہی تعلیم دی ہے کہ خبردار حکومت کو لذات دنیا سے بہرور ہونے یا دوسروں سے ممتاز ہونے کا ذریعہ نہ قرار دینا۔ یہ ایک مسئولیت نیابت، خلافت اور کمزور و ناتواں انسانوں کے حالات میں شریک ہونے کا فریضہ ہے۔ اس کے بغیر حکومت اسلامی نہیں کہی جاسکتی۔

تاریخی تجربہ سے قطع نظر اگر دور حاضر کے حالات کا جائزہ لیا جائے اور اس مرد مجاہد علوی (امام خمینی مدظلہ) کی زندگی کا جائزہ لیا جائے جس نے اپنی قوم کے جہاد کی

قیادت کی ہے اور اسلام کے پرچم کو بلند کرنے کے لئے زحمتیں برداشت کی ہے۔

یہاں تک کہ اللہ نے اسے فاتح قرار دیا اور اس کے ہاتھوں شہنشاہیت اپنے خزانوں سمیت تباہ و برباد ہوگئی اور سید علوی مظفر و منصور اپنے وطن واپس آیا۔ یہ منظر نظر آئے گا کہ اس نے اسی مکان میں قیام کیا جس مکان سے نکالا گیا تھا اور کوئی دوسرا مکان منتخب نہیں کیا تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ علیؑ ایک فرد کا نام نہیں تھا جس کا انتقال ہو گیا ایک اسلامی طریقہ زندگی کا نام ہے جو ہنوز باقی ہے اور ایک کردار ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا۔

اسلامی حکومت میں حاکم کا یہ طرز زندگی یقیناً عوام میں بے پناہ حوصلے پیدا کر دیتا ہے اور انہیں ایک عظیم روحانی طاقت عنایت کر کے ہر فرد کو اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ حکومت کے ہر کام میں حصہ لینا اپنی کرامت و شرافت وعزت وعظمت کی تعمیر میں حصہ لینے کے مترادف ہے۔

اسلامی حکومت کی سیاست کا تیسرا پہلو اس کے بین الاقوامی تعلقات ہیں جہاں استحصالی و استعمار اور ضعیفوں کا خون چوسنے کی فکر نہیں ہوتی اور مغربی تمدن کی طرح دوسروں پر حکومت کرنے یا ان سے مصالح کا تبادلہ کرنے کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ سیدھے سیدھے حق و عدالت کی بنیاد پر کمزوروں کی مدد کی جاتی ہے اور حق وعدل سے امت کے ضمیر کو معمور کر دیا جاتا ہے یہاں حق و انصاف کے وہ کھوکھلے الفاظ نہیں ہوتے جن کا مقصد اپنے مقاصد و مصالح کے لئے استعمار و استحصال کے اسباب فراہم کرنا ہو۔ جیسا کہ اقوام متحدہ کی سیاست کا ماحصل ہوتا ہے اور تمام بین الاقوامی اداروں کا طریقہ کار ہے کہ جب تک کوئی حقیقت بڑی حکومتوں کی مصلحتوں سے نہ ٹکرائے اقوام متحدہ کے ایوانوں میں حق وانصاف کی آوازیں گونجتی ہیں اور جب کوئی حق بڑی طاقتوں کی مصلحتوں کے خلاف ہو جاتا ہے تو حق میں اتنی طاقت نہیں رہ جاتی کہ وہ اقوام متحدہ کی عمارت کی دیواروں کو پار کر سکے۔

اسلامی تاریخ کے تجربات میں ایسے بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں جہاں حق و انصاف کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔ حد یہ ہے کہ تاریخ کے جس دور میں اسلامی تعلقات کا وہ زور نہیں رہ گیا تھا اور ظالمین نے اسلام کی تعلیمات کو محو کر دیا تھا اس دور میں بھی عدل و انصاف کے بعض آثار نظر آ جاتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں قتیبہ کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک لشکر سمرقند کی طرف روانہ کیا گیا اور وہاں پہنچ کر ان لوگوں سے ایک معاہدہ کر لیا اور جب لوگ معاہدہ سے مطمئن ہو گئے تو شہر میں داخل ہو کر معاہدہ کو نظر انداز کر دیا۔ لوگوں نے حاکم تک اس کی شکایت پہنچائی۔ حاکم نے قوم اور قائد دونوں کو قاضی کے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا۔ قاضی نے فیصلہ کیا کہ لشکر کو فوراً واپس ہو جانا چاہئے۔ ظاہر میں کسی حکومت یا عالمی ادارے کی طرف اپنے ہی لشکر کے خلاف فیصلہ کر کے اسے واپس بلا لینے کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف اسلام کی بین الاقوامی سیاست تھی جس میں حق و انصاف کا عنصر ہمیشہ نمایاں اور غالب رہا کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

ایمان والو اللہ کے لئے عدالت کے ساتھ گواہ بن کر قیام کرو اور خبردار کسی قوم کی عداوت تمہیں عدالت کے راستے سے ہٹا نہ دے۔ انصاف کرو یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور تقویٰ اختیار کرو کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ [1]

اسلامی حکومت کا اس روح کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر معاملات کرنا انسانی ضمیر کو بیدار کرنے اور اسے حق و انصاف کے تقاضوں سے باخبر کر کے عدالت کی راہ میں ہمسفر بنا دینے کے لئے بے حد مفید ہے اور عالمی سطح پر اس کا واقعی اثر بھی ہے۔

---

[1] مائدہ:۲

آج کی دنیا اور مرد مسلم کا مزاج ہے۔

اسلامی حکومت جس طرح اپنے مخصوص عقائدی مزاج کی بنا پر بے پناہ قدرت وقوت کی حامل ہے اسی طرح اس کی بعض عظیم طاقتوں کا تعلق عالم اسلام کے انسان یعنی خود مرد مسلمان کے عقائدی، نفسیاتی اور تاریخی مزاج سے بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی اجتماعی نظام فضا اور خلا میں کام نہیں کرتا۔ اس کے کارہائے نمایاں کا تعلق کائنات بشر اور اس کے باہمی تعلقات سے ہوتا ہے اور اس اعتبار سے اس کی کامیابی اور اس میں معاشرہ کی صلاحیتوں کو جمع کرنے کی قوت اور افراد کی نیک طاقتوں کو ابھارنے کی صلاحیت کا حساب بھی انہیں افراد کے نفسیاتی اور تاریخی مزاج سے ہم آہنگی کے اعتبار سے ہوگا اور جو قانون اپنے افراد کے مزاج سے جس قدر زیادہ تناسب اور ہم آہنگ ہوگا اتنی ہی زیادہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر اجتماعی نظام اور تمدنی فکر کا فرض ہے کہ وہ سماج کے افراد کی نفسیاتی اور تاریخی تشکیل کرے اور ان کے تمام افکار واحساسات کو مخصوص سانچوں میں ڈھال دے۔ اس لئے کہ یہ بات اسلامی معاشرہ کے اعتبار سے تو ممکن بھی نہیں ہے۔ یہ معاشرہ پہلے ہی سے پستی، زبوں حالی، انتشار اور ضعف نفس کا فریادی ہے اب اگر اس معاشرہ کو نظام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بربادی اور غلامی کو اور مستحکم کردیا جائے گا۔

مذکورہ بالا قانون کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی تمدنی نظام اگر پست معاشروں کو بلند کرنا چاہتا ہے اور امت کی ترقی کے لئے اس کی طاقتوں کو منظم کر کے جملہ امکانات کو زبوں حالی کے خلاف جہاد میں صرف کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنا خاکہ مرتب کرتے وقت امت کے احساسات نفسیات اور اس کی تاریخی اور عقائدی ترکیب کا خیال رکھے۔

تمدنی ارتقاء کا کسی اجتماعی نظام کا محتاج ہونا صرف ایک مفروضہ نہیں ہے کہ ہر

ارتقا کے لئے ایک اجتماعی اور سیاسی نظام ہونا چاہئے اور اس کا تجریدی تصور ممکن نہیں ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ تعمیری کام یعنی امت کے ارتقا اور اس کی قوتوں کو پست حالی کے خلاف ابھارنے کی کوشش اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ اس کے لئے کوئی لائحہ عمل نہ ہو جو اپنے اندر امت کو جذب کر سکے اور پھر اسی بنیاد پر اس کے ساتھ مل کر کام کر سکے۔ امت کا متحرک ہونا تمدنی عمل کی کامیابی کے لئے شرط اولین ہے امت کے متحرک ہونے کا مطلب اس کے ارتقائی ارادہ اور جملہ داخلی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہے اور اس کے بغیر کوئی نظام یا اصول حقائق کو متغیر نہیں کر سکتا۔ اللہ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات کو تبدیل نہ کرے۔

اگر ہم امت کی تعمیر جدید کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کر کے زبوں حالی کا استحصال کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اس حقیقت کو بنیاد قرار دیں اور اس کی روشنی میں تمدنی نظام مرتب کریں تا کہ وہ نظام امت کو حرکت سے لا سکے اور زبوں حالی کے خلاف جہاد میں اس کی طاقتوں اور صلاحیتوں کو منظم کر سکے۔

عالم اسلام کے انسان یعنی مرد مسلمان کے لئے دنیا کی کوئی حکومت اسلامی حکومت کے علاوہ ایسا نظام نہیں پیش کر سکتی جو اس کے تعمیری کام کی بنیاد بن سکے اور اس کے اجتماعی نظام کے لئے پلیٹ فارم کا کام دے سکے جس کے اسباب ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں اور انہی سے اندازہ ہوگا کہ اسلامی حکومت کس قدر تحریک اور تعمیر کی قوت رکھتی ہے اور کس طرح انسانی طاقتوں کو بروئے کار لا سکتی ہے۔

ایمان بالاسلام

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عالم اسلام کا ہر باشندہ اپنے اسلام کو ایک دین اور خاتم الانبیا پر نازل ہونے والا ایک الٰہی پیغام سمجھتا ہے جس پر عمل کرنے والے کے لئے جنت اور اس سے روگردانی کرنے والے کے لئے جہنم ہے۔

یہ عقیدہ اگرچہ مسلمانوں کے درمیان صرف ایک بے معنی عقیدہ ہے اور انحراف

کے مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے اپنی تابش وطاقت کو کھو چکا ہے اور عالم اسلام میں استعمار اور استعماریوں کو دخل اندازی سے اس کی انقلابی طاقتیں مفقود ہو چکی ہیں اور اسی لئے اب مسلمان بھی وہ امت اسلامیہ نہیں رہ گئے جنہیں امت وسط بنا کر عالم کی شہادت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اور جو عالم بشریت کی ہدایت کے لئے بہترین امت تھے۔ امت صرف افراد کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مجموعہ اپنی مسئولیت اور الٰہی ذمہ داریوں کا احساس کرے تاکہ اندر سے وہ امت بن جائے جس کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو اور اس طرح کا اس کا عقیدہ ایک تعمیری عمل بن جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

تم بہترین امت تھے جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا تھا کہ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دو۔ برائیوں سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو۔ [۱]

آیت کریمہ میں امر و نہی کے بعد ایمان کو خیر امت کے خصوصیات میں شمار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان فقط قلب کی گہرائیوں میں دفنایا ہوا حنوط کردہ جنازہ نہیں ہے۔ بلکہ پہلو میں بھڑکنے والا ایک شعلہ اور اپنی تنویر سے عالم کو منور کرنے والا ایک چراغ ہے جس کا عامل انسان خارجی طور پر خود بخود مسئول بن جاتا ہے اور قرآن حکیم اعلان کرتا ہے۔

اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے کہ تم تمام لوگوں پر ہمارے گواہ ہو۔ [۲]

آیات بالا کا مقصود یہ ہے کہ جب تک مسلمان خیر امت اور امت وسط کی منزل تک نہ پہنچ جائے امت اسلامیہ کے کہے جانے کے قابل نہیں ہے اور جب تک

---

[۱] آل عمران: ۱۱۰

[۲] بقرہ: ۱۴۳

عقیدہ زندگی کے اعمال کی بنیاد نہ بن جائے زندگی میں اسلامی پیغام کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

لیکن ان تمام خامیوں، کمزوریوں، سردمہریوں کے باوجود آج بھی اسلام کم از کم ایک منفی اثر ضرور رکھتا ہے امت اسلامیہ کسی ایسے تمدنی نظام یا اجتماعی ضابطہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے جس کے افکار اسلام سے ہم آہنگ نہ ہوں اور وہ کم از کم نظریاتی اعتبار سے ایسے ہر نظام کو غلط اور ناجائز سمجھتی ہے یہ ایمان عملی شکل اختیار کرے یا نہ کرے ایک منفی موقف بہرحال تشکیل دے دیتا ہے جس کے بعد کسی تہذیب اور تمدن کا عمل کامیاب نہیں ہوسکتا اور نہ وہ قیادت کا فرض انجام دے سکتی ہے اور اگر اتفاقاً کسی نظام کی قیادت کا موقع مل بھی گیا تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ تناقص اس قدر پریشان کرتا ہے کہ حکومت جبر وتشدد پر مجبور ہوجاتی ہے اور اسے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ جبر وتشدد کے بغیر امت کی قوتوں کو جمع کرنا اور ان سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہے اور جیسے جیسے یہ تشدد بڑھتا جاتا ہے امت میں منفی رجحانات اور ترقی کرتے جاتے ہیں اور اس طرح اس کی طاقتوں کا جز اعظم صرف جبر وتشدد کی نذر ہوجاتا ہے جہاں ایک طرف لوگوں کو قانع کرنے کی فکر ہوتی ہے اور دوسری طرف خاموش ردعمل کے مقابلہ میں طاقت قوت صرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر امت کے سامنے اسلامی حکومت اور اسلامی نظام کا فارمولا پیش کر دیا جائے جس کی قیادت اس امت کے ہاتھ میں ہو جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی خوگر اور ایمان بالغہ کی پیکر ہو تو نہایت ہی مختصر سی مدت میں یہ معنی قسم کا عقیدہ منفی حیثیت سے نکل کر مثبت حیثیت اختیار کرسکتا ہے اور جدید تمدنی تعمیر میں لگایا جا سکتا ہے۔ جب لوگوں کو یہ اندازہ ہوگا کہ یہ عمل ہمارے عقیدہ کی ایک تعبیر و تجسیم ہے اور اس طرح ہمارے عقیدہ کو فروغ حاصل ہورہا ہے تو اگر بہت سے لوگ اس قربانی اور اذیت کے لئے ابتدائی طور پر تیار نہ بھی ہوئے تو جیسے ہی نظام برسرکار آجائے گا اور لوگ یہ دیکھیں گے کہ اس نظام میں اپنی تمام امیدیں اور اپنے تمام عقائد و افکار کا مجسم ہیں تو خودبخود اس سے منسلک ہوجائیں گے اور اس طرح خالی عقیدہ ایک روشن تابناک اور

زندہ عقیدہ بن جائے گا جس میں حیات بھی ہوگی اور حرکت بھی اور نشاط عمل بھی اور امت بغیر کسی جبر وتشدد کے خالص ایمان ومخصوص اخلاص کی بنا پر عظیم تعمیری کام میں لگ جائے گی اور پھر معاشرہ انسانی اور اسلامی معاشرہ ہو جائے گا۔

مستقبل کے اس متوقع انقلاب وتغیر کی وضاحت کے لئے زندگی کی بعض چھوٹی چھوٹی مثالیں ہی کافی ہیں کہ آج جب کہ اسلام صرف ایک خیالی عقیدہ ہے اس میں اتنی قوت پائی جاتی ہے کہ وہ کروڑوں انسانوں کو مطمئن کر کے ان میں مالی ٹیکس زکواۃ وغیرہ کو بہ طیب خاطر ادا کرنے پر آمادہ کر لیتا ہے جبکہ حکومتیں مختلف وسائل و ذرائع استعمال کرنے کے بعد بھی اپنے محصولات وصول نہیں کر پاتیں۔ تو یہیں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب یہی محصولات بنام اسلام وصول کئے جائیں گے تو امت اسلامی محصولات کو کس آسانی و سہولت اور ایمان کے ساتھ ادا کر دیگی اور سماجی ارتقا کس قدر آسان ہو جائے گا۔ بلکہ اسلام نے تو ''اس بے روح'' عقیدہ کے سایہ میں بارہا یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس میں اب بھی طاقت پائی جاتی ہے کہ وہ جہاد کے نام پر اسلام کے پرچم تلے بے شمار مجاہدین کے صرف عقیدہ کی آواز پر لبیک کہنے کے لئے جمع کر سکتا ہے جبکہ دنیا کی دوسری حکومتیں اتنے سپاہی اس وقت تک فراہم نہیں کر سکتیں جب تک نظم وضبط اور اقتدار کی جملہ صلاحیتیں صرف نہ کر دی جائیں۔ آپ سوچیں کہ ایسا اسلام اگر سماج کی قیادت کرنے لگے اور اسے امت کی زمام حکومت دے دی جائے تو وہ کتنا بڑا انقلاب بر پا کر سکتا ہے اور کتنی بڑی جہادی طاقت فراہم کر سکتا ہے۔

اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو مسلمان کی زندگی کا انتشار اور افتراق ختم ہو جائے اور اس کے وجود پر مختلف متضاد حکومتوں کی وجہ سے طاری ہونے والی پارہ پارہ کر دینے والی کیفیت فنا ہو جائے۔ مسلمان جب مختلف نظاموں کے زیر سایہ زندگی گزارتا ہے تو اکثر اوقات میں اپنے کو متضاد اعمال انجام دینے پر مجبور پاتا ہے وہ مسجد میں خدا کے سامنے ان باتوں کا انکار کرتا ہے جنہیں دکان اور دفتر میں اختیار کرتا ہے اور زندگی کے

کاروبار میں ان باتوں کو خیر باد کہہ دیتا ہے جن کی مسجد میں تقدیس کرتا ہے اور ان کا رب العالمین سے معاہدہ کرتا ہے اور ان مختلف حکومتوں کے پاس کوئی حل نہیں پاتا ہے سوائے اس کے کہ مسجد سے کنارہ کش ہو جائے تو زندگی میں ایک روحانی خلا سے دوچار ہو کر اپنے وجود اور پھر اپنے معاشرے کو تباہ کر دے یا زندگی کے دوسرے معاملات سے کنارہ کش ہو جائے اور صرف ایک منفی طاقت بن کر رہ جائے تو اس طرح سماج اپنے پاکیزہ ترین افراد اور مخلص ترین اولاد کی خدمات سے محروم ہو جائیں لیکن اسلامی حکومت کے زیر سایہ ایسی کوئی پریشانی نہیں ہے یہاں ارض وسما میں اتحاد اور مسجد و دفتر میں اتفاق پایا جاتا ہے یہاں مسجد کی دعا حقائق سے فرار نہیں ہے بلکہ اسی روح کا تجربہ ہے جس کے بعد انسان کی زندگی میں حقیقی وحدت اور واقعی اتحاد و اتفاق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اخلاص عمل کے ساتھ مصائب پر صبر کرنے کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔

تجربات کی وضاحت اور اس سے جذباتی تعلق

انسانی مزاج ہے کہ وہ کسی نئے نظام کے لئے بذل وعطا کا مظاہرہ اسی وقت کرتا ہے جب اس کی وہ نمایاں مثال اور واقعی تصویر دیکھ لیتا ہے جس کے لئے اسے دعوت دی جارہی ہے اور جس کی تشکیل کا اسے حصہ دار بنایا گیا ہے۔ باہر سے درآمد ہونے والی تحریکوں کی کمزوری یہی ہے کہ اس کے نمونے ماضی کے ہوں یا حال کے اسلامی حدود سے باہر کے ہیں اور انہیں مرد مسلم کے سامنے اپنی صحیح خاکہ کو پیش کرنے کے لئے سخت زحمتوں کا سامنا ہے وہ نمونے مسلمان کی زندگی سے اجنبی اور اس کے لئے پریشان کن ہے۔ ڈیموکریسی ہو یا اشتراکیت، مادیت ہو یا اشتمالیت سب کا المیہ یہی ہے کہ ان کا تجربہ اسلامی حدود سے باہر ہوا ہے اور انہوں نے مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد مسلمان کے سامنے ان کی کوئی واضح صورت نہیں ہے وہ یہی دیکھتا ہے کہ جن حکومتوں کے ڈیموکریسی کا نعرہ زیادہ بلند ہے اور یہ لفظ بطور جز وحکومت استعمال ہوتا ہے ان حکومتوں میں ڈکٹیٹرشپ زیادہ ہے اور جن حکومتوں میں اشتراکیت کا

چرچا زیادہ ہے ان میں امتیازات کی ایسی بہتات ہے کہ جن لوگوں کو ایک دن بے پناہ اہمیت دی جاتی ہے انہیں دوسرے دن ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ جو اسٹالین ایک دن قوم کا خدا بنتا ہے وہی دوسرے دن مرتے ہی جنت سے نکال دیا جاتا ہے اور شرافت کے تمام عنوان اس سے چھین لئے جاتے ہیں۔ ماؤ ایک چوتھائی صدی کے اندر ''شخصیت مطلقہ'' کے دائرہ سے نکل کر تنقیدی شخصیت بن جاتا ہے اس طرح مفاہیم وشعارات کے تجربہ میں تنوع اور تجربات اور تجربہ کنندگان کی قدر و قیمت کا اختلاف مسلمان کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہوتا کہ وہ نظام کی صحیح تصویر بنا سکے۔ اور پھر اس کی تشکیل میں خون پسینہ اور زندگی کی قربانی دے سکے۔ اس کے خلاف اسلامی حکومت مرد مسلمان کو ایک واضح مثال پیش کرتی ہے جو اس کے لئے سورج سے زیادہ روشن ہے اور جس کے اپنے نفس کے قریب تر، اپنے احساسات سے ہم آہنگ اور اپنی تاریخ کے بہترین مراحل سے مستعار پاتا ہے وہ کون سا مسلمان ہے جو دور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلامی اقتدار کا حال نہیں جانتا، کون سا مسلمان ہے جسے مولائے کائنات کا نظام حکومت نا معلوم ہو اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیؑ کے درمیان اقتدار کا نقشہ نہیں دیکھا ہے وہ کون ہے جسے ان مقدس ادوار کی عظمت وشرافت متحرک نہیں بنا سکتی اور وہ کون ہے جو اس احساس سے مسرور نہیں ہو جاتا کہ اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی وہ دور پھر واپس آ جائے گا اور گویا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیؑ کے ادوار کی طرح دنیا عدل وانصاف اور نور وضیا سے معمور ہو جائے گی۔

اسلامی حکومت مسلمان کو کسی تاریکی میں نہیں لے جاتی اور نہ ان دور و دراز نقاط کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کا اندازہ کرنا اور جن کا صحیح معنوں میں مشاہدہ کرنا ایک عام مسلمان کے بس کی بات نہیں ہے۔ نہ ایسے متضاد مجموعے میں پھینک دیتی ہے جہاں نعرہ ایک ہوتا ہے اور نظریات مختلف اور کسی نقطہ پر اتحاد نہیں ہوتا۔ اسلامی حکومت انسان کو روشنی میں لے جاتی ہے اور اس بلندی کی طرف اشارہ کرتی ہے جسے ہر مسلمان نے دیکھا ہے اور جس کی واضح شکل ہر مسلمان کے ذہن میں محفوظ ہے اور اس طرح مرد مسلمان کو

اسلامی تمدن کے حصار میں راستہ سے مطمئن مقصد پر معتمد اور راہ و چاہ کے امتیازات کا حامل بنا کر راستہ طے کراتی ہے نمونہ جس قدر واضح ہوگا معیار اتنا ہی مستحکم ہوگا اور اسی کی روشنی میں استقامت اور انحراف کا فیصلہ آسان ہوگا اور ان سب کے نتیجہ میں عظیم تعمیری کام کی دعوت پر لبیک کہنے کے لئے ذہنی فضا سازگار اور ہموار ہوگی۔ وہ ایک راستہ پر مشین کے پرزہ کی طرح نہیں چلے گا بلکہ ایک صاحب فکر ونظر انسان کی طرح آثار سفر کا شعور اور نمونہ عمل کے ادراک کے ساتھ قدم آگے بڑھائے گا۔

تجربہ کی پاکیزگی اور استعمار سے عدم ارتباط

عالم اسلام کے انسان نے استعمار کے ہاتھوں اس قدر مکر اور جعلسازی کا تجربہ کیا ہے کہ اب اس کے لئے یہ تجربہ ایک نہایت ہی تلخ شعور بن گیا ہے جس کی وجہ سے وہ استعمار کی طرف سے ہر وقت مشکوک رہتا ہے اور اس کے ذہن میں اس کے رکے ہوئے نظاموں کی طرف سے ایک بیزاری کا سا جذبہ رہتا ہے اور وہ ایک عجیب حساسیت کا شکار ہے جس کی وجہ سے استعمار کے احکام غیر استعماری اور صالح بھی ہوں تو مسلمان انہیں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور نہ ان نظاموں کے نام پر اس کی طاقتوں کو ابھار کر اس سے تعمیر نو کا کام لیا جا سکتا ہے اور یہ سب اس وقت سے ہوا ہے جب سے مغرب کے سفید فام انسانوں نے ہماری زمینوں پر قدم جما کر اسے اپنے افکار اور نظام ہائے حیات اور اسلحوں سے پامال کر رہا ہے عالم اسلام کے لئے ضروری ہے کہ اسے ان نفسیاتی حالات کی بنا پر ایک ایسا نظام دیا جائے جس کا استعمار اور استعماری ممالک سے کوئی تعلق نہ ہوتا کہ اس حساسیت اور بیزاری کا بھی علاج کیا جا سکے جو استعمار کے خلاف ہر مرد مسلم کے دل میں پائی جاتی ہے۔

یہی وہ واضح حقیقت تھی جس نے عالم اسلام میں مختلف سیاسی جماعتوں کو جنم دیا جن کا کام قومیت کو اسلامی فلسفہ اور اسلامی تمدن کی بنیاد قرار دینے کا تھا اور انہوں نے اس راہ میں بے پناہ زحمتیں برداشت کی ہیں کہ قومیت کی رگ کو پھڑکا دیا جائے اور

استعمار کے خلاف ایسے انقلابی نعرے دیئے جائیں جو ذہن کو کسی شکل میں استعمار کی طرف نہ جانے دیں اورغیر ملکی انسان سے بیزار رہیں۔لیکن مشکل یہ ہے کہ قومیت ایک نسلی اورلسانی رابطہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے وہ نہ فلسفہ ہے کہ اس کے اصول ہوں اور نہ عقیدہ ہے کہ اس کی بنیادیں ہوں۔ وہ صرف تمام دوسرے فلسفوں اجتماعی مذاہب اور عقائدی و دینی تصورات سے بیگانگی کا جذبہ ہے اوراسی لئے اسے خود کائنات حیات کے بارے میں ایک نظریہ کی ضرورت ہے اور اپنی تہذیب اپنے تمدن اور اپنی معاشرت کی تشکیل میں ایک مخصوص فلسفہ درکار ہے جس کی بنیاد پر اسے بامقصد بنایا جاسکے۔یہیں سے مغربی اور یورپی انسان کے وہ طریقہ ہائے زندگی جن کا تعلق روس اورامریکہ ہے ان کی ظاہری شکل کچھ بھی ہواوراسلامی نظام حیات جواس رخ سے بالکل پاک و پاکیزہ اور غیر مرتبط ہے۔ دونوں کے درمیان نمایاں فرق نظرآتا ہے کہ اسلامی نظام امت کے ذہن میں دشمنوں کا عطیہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اس کی ذات شرافت اورتاریخی اصالت سے ہے اس پر استعمار کے انگوٹھے کی چھاپ نہیں ہے بلکہ بزرگوں کے مفاخروکرامات کی چھاپ ہے اور ظاہر ہے کہ جب امت کو اس قدر پاکیزگی کا شعور ہوگا اور اسے معلوم ہوگا کہ اسلام اس کی ذاتی تعبیر اور اس کی تاریخی حیثیت کا عنوان ہے اس سے ماضی کی بزرگیوں کے دروازے کھلتے ہیں اور استعمار کے تمام وسائل صرف اسے بدنام کرنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں تو لازمی طور پر شعور تعمیر نو کے لئے ایک عظیم عامل کی حیثیت اختیار کرلے گا اور نتیجہ کے طور پر پستی اور زبوں حالی کے خلاف ایک عظیم طاقت ثابت ہو گا۔

اس کے بعد یہ بھی معلوم رہے کہ اس طرح تعمیر نو کا کام صفر سے شروع نہ ہوگا کہ یہ نظام امت سے اجنبی اور بیگانہ نہیں ہے اس کی تاریخی اورنفسیاتی جڑیں پہلے سے موجود ہیں۔اس کے فکری ارتکازات ذہن میں محفوظ ہیں اور اس کی حیثیت ان نظاموں جیسی نہیں ہے جن کے طریقے مصنوعی یا ملمع کاری کے ساتھ سمندر پار سے لائے گئے ہیں

تاکہ انہیں عالم اسلام پر منطبق کر دیا جائے یہ طریقے مجبور ہیں کہ ان کا کام صفر سے شروع ہو اور یہ بے بنیاد اقدامات کی راہ میں قدم آگے بڑھائیں

تعمیر نو میں طاقتوں کی جمع آوری

کھلی ہوئی بات ہے کہ عالم اسلام میں جب بھی کوئی نئی تحریک چلائی جائے گی۔ اس کا ٹکراؤ ان تمام عادات و رسوم اور مروجات سے ہوگا جو مدت دراز سے قوم کے درمیان رائج ہیں اور اپنے رواج کی بنا پر ایک دینی تقدس کا درجہ حاصل کر چکی ہیں اور امت کے ایک بڑے حصہ کے لئے یہ ناممکن ہوگیا ہے کہ وہ آسانی سے ان رسوم و عادات سے جدا ہو سکے جس کے معنی یہ ہیں کہ عالم اسلام میں جب بھی کوئی تعمیر نو کا کام شروع ہوگا اسے ردعمل کے طور پر ایک شدید نفسیاتی دباؤ کا سامنا کرنا ہوگا اور جدید اقدار کے مقابلہ میں ایک طرح کا دینی جذبہ اٹھ کھڑا ہوگا اور اس صورت میں تحریک کے لئے دو ہی راستے ہوں گے۔ ایک یہ کہ جس دینی عقیدہ نے اس قسم کا شدید کٹر پن اور نفسیاتی معاوضہ پیدا کیا ہے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا جائے اور جو مذہب ان تمام تقلیدی خیالات کا سرچشمہ ہے اسے فنا کر دیا جائے۔

﴿۲﴾ دین کو باقی رکھا جائے اور اسے اس قسم کے تقلیدی تصورات سے الگ کر لیا جائے اور قوم کو یہ سمجھایا جائے کہ دنیا اس قسم کے رسم و رواج کا نام نہیں ہے۔ اس کا کام زندگی کے اسباب فراہم کرنا ہے رسموں کو رواج دینا نہیں ہے۔

پہلا راستہ مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ مسئلہ کو اور بھی پیچیدہ بنا دیتا ہے اس لئے کہ جب امت پر یہ واضح ہوگا کہ یہ رخ دین دشمن اور اپنی دانست میں اس کا بدل ہے تو وہ تعمیری کام کو اور بھی مشکل بنا دے گا اور اکثریت کی طاقتیں معاوضہ کی نذر ہو کر منتشر ہو جائیں گی اور اس لئے صحیح راستہ دوسرا ہی راستہ ہے لیکن ان عملی تحریکات کے لئے نہیں جن کی بنیادیں ''دانشوری'' ''اور نیم اسلامی نظریات'' پر ہوں کہ یہ تحریکات نہ اسلام کی صحیح تفسیر کر سکتی ہیں اور نہ اسلام کے بارے میں اپنے نظریات سے امت کی اکثریت کو

مطمئن کرسکتی ہیں۔ ان کے نظریات پر اسلام کی چھاپ نہیں ہے اور ایسا کوئی نظریہ امت اسلامیہ کے لئے قابل قبول نہیں ہے جس کا تعلق اسلام کے مفہوم، احکام اور طریق کار سے نہ ہو۔

امت اسلامیہ کے بارے میں صحیح تعمیری تحریک وہی ہے جس کی اساس اسلام اور اس کے احکام ہوں اور اس کا امت سے واقعی ارتباط ہو کہ امت اسے اپنے دین کا مجسمہ اور ترجمان سمجھے اور یہ اسی وقت ہوگا جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حکومت قائم ہو جائے کہ یہ حکومت اکثریت کی طاقتوں کی جمع آوری کرسکتی ہیں اور اسے تعمیر نو میں صرف کرسکتی ہے یہ حکومت جانتی ہے کہ اسلام اور اس کے انقلابی تصورات کیا ہیں۔ وہ اسلام کی صحیح تفسیر کر کے اسے ان تمام رسوم و عادات سے الگ کرسکتی ہے جنہیں زمانے اور معاشرہ نے جنم دیا ہو وہ شریعت کے مصادر و ماخذ سے ارتباط اور عملی طور پر شریعت کے واضح احکام حرمت شراب فریضہ زکواۃ وغیرہ کے ذریعہ امت کے درمیان اعتبار رکھتی ہے اور اکثریت کو مطمئن کرسکتی ہے کہ اسلام کا صحیح مفہوم یہ ہے اور اس کا رسم و رواج اور عادات سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کے بعد امت کی بہت سی منفی قوتیں تعمیر نو میں مثبت قوت میں تبدیل ہوسکتی ہیں اور تحریک جدید کو نیا سہارا مل سکتا ہے اس نظریہ کی بنا پر معاشرہ میں عورت پر وارد ہونے والی پسماندگی اور اپنے سماج اور سماج کے مردوں سے اس کے رواج کی تنظیم اس بنیاد پر نہیں ہوگی کہ اس سے بے پردگی کے موضوع پر جنگ کی جائے اور مغربی تمدن میں عورت کی حیثیت کو زیر بحث لایا جائے کہ اس طرح امت کی اکثریت مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہوگی اور تعمیری کام نامکمل رہ جائے گا مقابلہ کا صحیح طریقہ یہ ہوگا کہ تحریک کی بنیاد خالص دینی ہو اور امت کو یہ سمجھایا جائے کہ پسماندگی کا سبب اجتماعی حالات اور معاشرتی عادات ہیں جن کا کوئی تعلق دین اسلام سے نہیں ہے اور اس طرح دین کے صحیح افکار و اقتدار کو قوم کے حوالہ کیا جائے اور دین نے پسماندگی کی بنیاد پر جو منفی حیثیت پیدا کر لی ہے اسے مثبت پہلو میں تبدیل کر دیا جائے مثال کے طور پر صبر

اسلامی اخلاقیات میں ایک بلند درجہ کا حامل ہے لیکن معاشرہ نے اسے صرف منفی پہلو دے دیا ہے کہ عالم اسلام میں صبر کا مفہوم صرف ذلت اور لا پروائی کے ساتھ مصائب کا برداشت کرنا رہ گیا ہے اب اس میں کوئی انقلابی تصور نہیں رہ گیا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب تک اس کا مفہوم متغیر نہیں ہوگا۔ اس سے کٹر انقلابی کام نہیں لیا جا سکتا ضرورت ہے کہ صبر کو ادائے فرض اور ظلم کے مقابلہ میں اذیت پسندی اور بڑے مقاصد کے لئے چھوٹے مقاصد کی قربانی قرار دیا جائے تا کہ اس کا صحیح اسلامی اور انقلابی تصور سامنے آ سکے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی خدا نے تمہارے جہاد کو دیکھا ہے اور نہ تمہارے صبر کو۔ [۱]

یہ لوگ نہ ذلیل ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور اللہ صابرین کو دوست رکھتا ہے۔ [۲]

۵۔آسمانی رخ اور اس کے تعمیری اثرات

یورپ کا انسان مشرقی انسان سے ایک عظیم اختلاف یہ بھی رکھتا ہے کہ یورپی انسان کا رخ فطری طور پر زمین کی طرف رہتا ہے۔ مسیحیت سینکڑوں سال کا دین ہونے کے باوجود اپنے رخ کو زمین سے آسمان کی طرف بلند نہ کر سکی اور انسان کو آسمانی بنانے کے بجائے خدا ہی کو زمین کی طرف کھینچ لائی اور ایک ارضی مخلوق کو خدا بنا دیا۔

انسانی وجود کے بارے میں تحقیقات اور اس کے حیوانات سے رشتے جوڑنے کی فکر بھی درحقیقت اسی ایک رجان کی ترجمان ہے کہ انسان ایک خالص ارضی مخلوق ہے

---

[۱] آل عمران: ۱۴۲

[۲] آل عمران: ۱۴۲

اور اس کا تمام تر رشتہ زمین سے ہے جس طرح انسانیت کے تغیرات وتصورات کی تفسیر وسائل پیداوار اور پیداوار کے ارتقا کی بنا پر یہ بھی انسانیت کا ایک غیر آسمانی رخ ہے اور ان سب کا مقصد صرف یہ ہے کہ نفسیاتی اور اخلاقی اعتبار سے انسان کو زمین سے مربوط کر دیا جائے اور گویا کہ خدا ہی کو زمین پر اتار لیا جائے۔ اسلوب کیسا ہی ہو۔ علمی یا وساطیری چھاپ کوئی بھی ہو یورپ کے اس زمینی رخ نے مادیت کو فروغ دیا ہے اور مادہ ثروت اور ملکیت کا ایسا مفہوم قرار دیا ہے جو اس زمینی رخ سے ہم آہنگ ہو اور آخر میں انہیں صدیوں سے ذہنوں میں رخ پیدا کرنے والے نظریات نے یورپ میں مذاہب لذت و منفعت کی شکل اختیار کی اور یورپ کے پورے اخلاقی فلسفہ پر قبضہ کر لیا۔ ان مذاہب نے یورپی فکر کا نتیجہ ہونے کے اعتبار سے یورپ کا نفسیاتی زمین پر کافی کامیابی حاصل کی اور یورپ کے نفسیاتی مزاج کی مکمل ترجمانی کی۔

مادہ، ثروت اور ملکیت کے بارے میں ان افکار واقتدار نے افراد امت کے اندر چھپی ہوئی طاقتوں سے بھی خوب فائدہ اٹھایا اور تعمیر نو کے لئے ایسے مقاصد کا اعلان کیا جو ان اقدامات سے ہم آہنگ تھے نتیجہ یہ ہوا کہ امت کی رگوں میں پیوست ہو جانے والے ان نظریات نے مادیت کی راہ میں نشاط عمل کا خوب مظاہرہ کیا اور عوام مادیت کے لئے انتھک کوششیں کرنے لگے تاکہ مادہ اور اس کے برکات سے بیش از استفادہ کر سکیں۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ جس قدر مادیت نے لوگوں کی طاقتوں سے استفادہ کیا ہے اسی قدر مصائب بھی جھیلے ہیں اور انسانی خیرات زمین کے بارے میں عجیب وغریب تقابل کا شکار ہو گیا اور ہر شخص دوسرے شخص کا استحصال کرنے لگا تاکہ اسے استفادہ کے آلات کے طور پر استعمال کر کے زمین کے برکات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیے۔

مشرق ان خطرات کی طرف متوجہ تھا اس کا اخلاقی فلسفہ یورپ کے اخلاقیات سے بالکل مختلف ہے۔ اس نے اپنی تاریخ اسالتی تربیت پرورش اور مذہبی ماحول و

معاشرت کی بنیاد پر ہمیشہ آسمان کی طرف نگاہ رکھی اور زمین سے پہلے آسمان کو دیکھا اور عالم احساس ومادیت سے پہلے عالم غیبت پر نظر رکھی اور عالم غیب کی حسین وجمیل شکل نے اسے اس قدر متاثر کیا کہ اس کی زندگی میں فکری سطح پر عالم غیبت ہی کی جلوہ فرمائی رہی اور اس نے معرفت کی منزل میں عقلی پہلوؤں کو مرکزیت دی اور محسوسات کو مرکز ومحور نہیں بنایا۔

مشرقی انسان کی اس عمیق غیبت کا نتیجہ تھا کہ مادہ کے سلسلے میں مسلمان کی طاقت محدود ہوگئی اور جہاں جہاں معنوی اسباب کی کارفرمائی نہ ہوسکی وہاں مادہ کے سلسلے میں زحمت اور اس سے استفادہ کرنے کی مہم میں منفی پہلو پیدا ہوگیا اور اس منفی پہلو نے کبھی زہد وقناعت کی شکل اختیار کی اور کبھی کسلمندی کی۔ لیکن یہ اس وقت ہوا جب مرد مسلمان کی زمین آسمان سے الگ ہوگئی اور وہ آسمان ہونے کے باوجود بے عمل ہوگیا ورنہ اگر اس کی زمین آسمان سے مربوط رہتی اور وہ آسمانی فرائض کی طرف متوجہ رہتا تو ایسا کچھ نہ ہوتا اور یہی غیبی نظریہ ایک محرک طاقت اور فعال قوت بن جاتا اور ان سے طبیعی اعمال کو ایک فریضہ اور عبادت سمجھ کر انجام دیتا۔ وہ زندگی کی سطح کو بلند کرنے کی کوششوں میں بے پناہ حصہ لیتا۔ اس لئے نہیں کہ زمین اس کا ہدف اور مقصد ہے بلکہ اس لئے کہ جدوجہد اور محنت اس کا فریضہ ہے۔

یہی وہ کام ہے جو حکومت اسلامی کو انجام دینا ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ آسمان کے بارے میں زاہدانہ قسم کے تصورات کو مرد مسلم سے سلب کر کے اسے باعمل بنانے کی کوشش کرے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آسمانی کے مفہوم کی وضاحت کرے اور زمین میں عمل کرنے کو ایک فریضہ اور ایک مظہر خلافت الٰہیہ کی شکل میں پیش کرے تاکہ یہ نظریہ ایک بنیادی طاقت بن جائے اور پھر طاقت بھی اپنے حدود کے اندر رہے استحصال واستبداد کا ذریعہ نہ بننے پائے۔ مسلمان جب زمین کی آبادکاری کا کام کرے تو اسے اس آمان کا جز سمجھے جس کی طرف اس کا رخ ہے اور جب ثروت کے اضافہ میں حصہ لے

سکیں تو اپنے کو خلیفۃ اللہ سمجھیں جس کی ذمہ داری زمین کی نگہداشت ہے اور اسے اللہ نے اقتصادی خلافت عطا کی ہے اس طرح انسان زہد کے منطقی تصور سے دور اور اس کے اس مثبت تصور سے قریب تر ہو جائے گا جو انسان کو بندہ دنیا ہونے کے بجائے آقای دنیا بناتا ہے اور آقای دنیا بنانے کے بعد استحصال واستبداد سے محفوظ رکھتا ہے۔

ارشاد قرآنی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں روئے زمین پر تسلط دے دیا جائے
تو نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے لوگوں کو نیکیوں
کا حکم دیں گے، برائیوں سے روکیں گے اور تمام امور کا
انجام اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ اسلام میں اقتدار کا مقصد نظام بندگی قائم کرنا ہے استبداد کی حکومت قائم کرنا نہیں ہے۔

السید محمد باقر الصدر

النجف الاشرف ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۹۹ء

---

[1] الحج: ۴۱